

ماہنامہ

شمس الاسلام

مجلس مرکزی

حزب الانصار کی بیسویں عظیم الشان سالانہ تبلیغی

* کانفرنس *

قارئین شمس الاسلام کو اس مژدہ جانقزا سے خورسند کیا جاتا ہے کہ
حزب الانصار کی بیسویں سالانہ تبلیغی کانفرنس بذاریخ ۱۰-۱۱-۱۲ مارچ ۱۹۵۰ء
مطابق ۲۰-۲۱-۲۲ جمادی الاول ۱۳۶۹ھ بموافق ۲۶-۲۷-۲۸ مارچ ۱۹۵۰ء
۲ بروز جمعہ - ہفتہ - اتوار کو انشاء اللہ العزیز جامع مسجد بہرہ میں منعقد
ہوگا جس میں مشائخ عظام کے علاوہ پاکستان کے بہترین خطیب و مقررین تشریف
لائیں گے۔ مآذرحم بالا تاریخوں کو نوٹ فرما لیں خود بھی شامل ہوں اور اپنے
دوستوں کو جلسہ کی تاریخوں سے آگاہ کریں۔

غلام حسین ناظم مجلس استقبالیہ حزب الانصار بہرہ (پاکستان)

بیگانہ حضرت نالایحی ہو محمد مصباحی نور اللہ مرقدہ

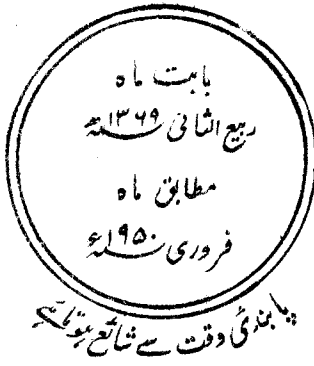
مختار احمد

مولانا الحاج افتخار احمد صاحب بکوی میر خرب انصار بھر

مدیر مسئول
غلام حسین

مترجم سالانہ
عوام سے -
معاذین سے -
خلیہ سے -





ماہنامہ شمس الاسلام

مدیر اعزازی - سید سیاح الدین کاکا خیل

مقام اشاعت - دفتر ماہنامہ شمس الاسلام جامع مسجد بھیرہ (پاکستان)

بآہتمام غلام حسین ایڈیٹر، پرنٹیر، پبلشر شنائی برقی پریس سرگودھا سے چھپکر بھیرہ (پاکستان) سے شائع ہوا

(۱) بزم انصار اداسا

(۲) شذرات مولانا محمد بخش صاحب مسلم بنی

(۳) تعلیم اسلامی مولانا محمد زاہد صاحب الحسینی

(۴) اسلامی تہذیب اداسا

(۵) چھوٹے نبیوں کا استیصال مولانا غلام دستگیر صاحب نامی

(۶) مسلمانوں کے فساد و زوال کی ابتدا الخ اداسا

(۷) باب الاستفسارات مولانا محمد رمضان صاحب شوق

(۸) اسلام ایک مذہب یا دین اداسا

(۹) موشلزم، کمیونزم اور اسلام الخ محترم ڈاکٹر محمد رفیع صاحب

(۱۰) درس حقائق محترم طاہر صاحب

(۱۱) حقیقت محترم نفیس صاحب چغتائی

ضروری گزارش: ہر جلد خط و کتابت و ترسیل زر بنام منیجر جریدہ شمس الاسلام بھیرہ (پاکستان) میں چاہیے۔

بزم انصار بیسواں سالانہ جلسہ

قریب الانصار بھیرہ و بیسویں سالانہ تبلیغی کانفرنس بتاریخ ۱۸-۱۹-۲۰ مارچ ۱۹۵۷ء بروز جمعہ، ہفتہ و اتوار کو ہونی قرار پائی ہے۔ جس میں مندرجہ ذیل مشائخ عظام اور علمائے کرام کو دعوت جلسہ دی گئی ہے۔ مدعوین حضرات کے حتمی مواقع کا اعلان آئندہ اشاعت میں کیا جائے گا۔

- | | |
|---|--|
| (۱۵) مولانا سید سیاح الدین صاحب کا کاخیل۔ | |
| (۱۶) مولانا عبدالرحمن صاحب میا فوی | |
| (۱۷) مولانا پیر سید محمد شاہ صاحب | (۱) حضرت مولانا صاحبزادہ سید محمد حسین شاہ |
| (۱۸) مولانا الحاج فضل الہی صاحب۔ | صاحب علی پور شریف |
| (۱۹) مولانا حبیب الرحمن صاحب۔ | (۲) حضرت پیر سید میر احمد غوث شاہ صاحب سجادہ نشین |
| (۲۰) مولانا محمد امیر الدین صاحب۔ | ترمنی شریف۔ |
| (۲۱) مولانا محمد نذیر صاحب۔ | (۳) حضرت صاحبزادہ محبوب الرسول صاحب سجادہ نشین بد شریف |
| (۲۲) مولانا الحاج محمد عالم صاحب۔ | (۴) حضرت مولانا محمد حنیف صاحب سجادہ نشین کوٹ مومن |
| (۲۳) مولانا محمد یونس صاحب۔ | (۵) امیر شریعت مولانا سید عطاء اللہ شاہ صاحب |
| (۲۴) مولانا نیاز احمد صاحب۔ | بخاری۔ |
| (۲۵) مولانا احمد حسن صاحب فیروز پوری۔ | (۶) مولانا پیر زادہ محمد باوا الحق صاحب قاسمی۔ |
| (۲۶) مولانا محمد امین صاحب کوٹی۔ | (۷) مولانا قاضی احسان احمد صاحب شجاع آبادی۔ |
| (۲۷) مولانا محمد رفیق صاحب۔ | (۸) مولانا مفتی عطاء محمد صاحب رتوی۔ |
| (۲۸) مولانا شاہ محمد صاحب۔ | (۹) مولانا محمد اکرم صاحب قطبی ملتان۔ |
| (۲۹) مولانا محمد اکرم صاحب نیز صوفی عبدالرحیم صاحب نوا۔ | (۱۰) مولانا درویش محمد صاحب احمد پور سیال۔ |
| بقیہ صفحہ ۱۳۔ ہندوستان میں ہیکل مانگنے والوں کی تعداد چودہ لاکھ ہے۔ اتنی بڑی تعداد کی فوج اگر تو کوئی ملک فتح ہو سکتے ہیں۔ زکوٰۃ کے نظام پر عمل کرنے سے یہ تعداد بھی کم ہو جائے گی۔ | (۱۱) مولانا لال حسین صاحب اختر۔ |
| | (۱۲) مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی۔ |
| | (۱۳) مولانا محمد علی صاحب ملتان۔ |
| | (۱۴) مولانا محمد بخش صاحب مسلم بی۔ اے۔ |

نذر است

(مولانا محمد بخش صاحب مسلم بی تے)

وراثت

اسلام نے جن قوانین کو پیش کیا۔ دنیا چار و ناچار انہیں اپنانے پر مجبور ہو رہی ہے۔ لیکن تعصب کا برا ہو کہ بعض اقوام دل سے ان کی معقولیت کی معترف ہونے کے باوجود انہیں قبول کرتے ہوئے ان میں کچھ نہ کچھ تغیر کر لیتی ہیں۔ تاکہ یہ نہ کہا جاسکے کہ انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ دین تو حید سے اتنا درجے کا ہیبت پرستوں کو ہے۔ لیکن زمانہ انہیں بھی کہہ رہا ہے کہ اگر تباہی سے محفوظ رہنا ہے تو اسلام کے اصول سے سرتابی نہ کرو۔ اس صداقت کی تازہ ترین مثال مسودہ قوانین ہندو ہے۔ حالات زمانہ نے ہندوؤں کو اپنے دھرم شائستروں کی ترمیم کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ ان پر عیاں ہو گیا ہے کہ ان کا پرانا نظام وراثت و قیادوسی جتنی ہی ہے جس کا موزون ترین مقام ردی کی ٹوکری ہے۔ پرانے خیال کے ہندو کو شکوہ ہے کانگریسی حکومت انہیں مسلمان بنا رہی ہے۔ مجلس آئین سادیں جب ہندو کو ڈبل پرچٹ و تحیص ہوئی تو کٹر خیال کے ہندوؤں نے کہا۔ اگر ہم نے طلاق کے قانون کو نافذ کر لیا تو ہندو جاتی فنا ہو جائے گی۔ اگر ہم نے اپنی لڑکیوں کو بھی ورثہ دینا منظور کر لیا تو ہماری جائیداد تلف ہو جائے گی۔ ہماری معاشی حالت برباد ہو جائے گی۔ لڑکیوں کے حق وراثت پر اظہار خیال کرتے ہوئے ہندوؤں نے کہا۔ اچھا اگر والدین کی جائیداد میں سے ورثہ دلانا ہی ہے تو کنواری لڑکی کو دلاؤ۔ جس کی شادی ہو جائے اس کا کیا حق ہے کہ وہ والدین کی جائیداد سے حصہ لے؟ اس پر کہا گیا۔ کیا یہ لازمی ہے کہ لڑکی کا شوہر ضرور اس کے والد سے زیادہ متمول ہو۔ علاوہ ازیں

پنڈت تو یہ تو دیکھو کہ شادی شدہ لڑکیوں کے مقابلہ میں دو شیرگان کی ذمہ داریاں کچھ بھی نہیں ہیں۔ کیا ستم ہے کہ جن کی ذمہ داریاں زیادہ ہوں انہیں کچھ نہ دیا جائے۔ اگر وہ بیوہ ہو جائیں تو انہیں تو ضرور ورثہ ملنا چاہئے۔ ان کو محروم کرنا تو پرے دے جے کا ظلم ہے۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی خیال کر دو کہ لڑکی وراثت کے پیش نظر ضروریہ چاہے گی کہ اس کا بیاہ اس وقت ہو جبکہ اس کا والد فوت ہو چکا ہو۔ تاکہ حالت دو شیرگی میں وہ جائیداد لے۔ اور مرنے کے بعد خاوند سے زیورات اور پارچا لے۔ مگر یہ تو کہو کہ ورثہ کی جتنی ہی تقسیم کیوں کر ہوگی۔ اور جس کا والد فوت ہو چکا ہو گا اسے بیاہے گا کون؟ اور اگر شوہر نہ لے سکے دیکھ دیا تو طلاق وہ لے نہیں سکتی۔ والد ہو گا کہ وہ اس کے گھر نہ جائے تو یہ بے چاری کیا کرے گی؟ غضب یہ ہے کہ ہندوؤں کے ہاں مہر کا بھی رواج نہیں۔ اس نوعیت کی تقادیر ہوئیں۔ تو کئی ایک ہندوؤں نے بوکھلا کر کہا کہ صاف الفاظ میں کیوں نہیں کہتے کہ ہندوؤں کا قانون وراثت اخو ہے۔ اور وراثت کا اسلامی قانون ہی اس قابل ہے کہ دنیا اس پر عمل پیرا ہو۔

تشمیر

پنڈت مہر و صاحب کی جتنی ناز برداری مجلس اقوام متحدہ کر رہی ہے اتنی شاید ہی کسی نے کی ہو۔ ایک شخص کی ضد اس الجمن کو سلجھنے نہیں دیتی۔ متحدہ اقوام سے وفاداری کے دعادی جتنے پنڈت صاحب نے کئے کسی اور مذہب نے نہیں کئے۔ لیکن ان کی تمام تر سعی اس پر صرف ہو رہی ہے کہ کشمیر میں استصواب لائے ہوئے نہ پائے

ہے۔ حکومت ہند کا مختار مطلق سردار نہیں ہے۔ اور وہ کانگریس کے لباس میں ہندو مہاسیماٹی ہے۔ ہندو مہاسیماکتی ہر کہ پیش بھی ملتے ہیں کہ پاکستان سے جنگ ضرور ہوگی سیکہ بھی کہتے ہیں پاکستان سے لڑنا ہی ہوگا۔ ہندو مہاسیماکتی ہے گو وہ کانگریس کا تخت الٹ دینا اپنا فریضہ خیال کرتی ہے لیکن اگر حکومت پاکستان سے نبرد آزما ہو تو ہندو مہاسیما اس کا ہر ممکن طریق پر ساتھ دیگی۔ سیکھوں کا بیان یہ ہے کہ کانگریس نے ان سے انتہا درجے کی غداری کی ہے۔ لیکن بایں ہمہ اگر کانگریس کی حکومت پاکستان سے محرکہ قتال و جدال کا آغاز کرے تو سکھوں کی تمام قوت اس کے ساتھ ہوگی۔

ہندو مہاسیما کا ادعا یہ ہے کہ لڑائی کی صورت میں ہندو مسلمانوں کو کھنڈ ہو جائیگا۔ بھارت کا جو ٹکڑا اس سے الگ ہو گیا ہے پھر اس کے دامن میں آٹھ لگا سیکھوں کا زعم ہے کہ اس سے ان کو رد اسے مل جائیں گے۔ اراضیات مل جائیں گی۔ جب ان دشمنوں کے ارادے یہ ہوں جنہوں نے ہماری مقابر، ہماری مساجد، ہماری آبرو، ہمارے مال، ہماری جان اور ہمارے ایمان کو برباد کر دیا۔ اور برباد کر لینے کی ٹھان رکھی ہے۔ تو کیا ہمارا فرض نہیں کہ ہم میں سے ہر ایک فوجی تربیت اور عسکری تعلیم سے بہرہ اندوز ہو جائے۔ اگر ہمیں زندگی، دین، ملک، بہو بیٹیاں، ماٹیں، بہنیں، والدین، جائیداد میں سے کوئی شے بھی عزیز ہے تو اس کے بقا کی واحد صورت یہ ہے کہ ہم مجاہد بن جائیں۔ فوجی تعلیم حاصل کریں ستم یہ ہے کہ ہم نعرے لگاتے ہوئے تو قند سیوں کے کان پھاڑ دیتے ہیں۔ ہماری آوازیں عرش تک جا پہنچتی ہیں۔ لیکن ہمیں ٹریننگ کی دعوت دیجائے تو ہم ہنگامی جوش سے

ان پر عیاں ہے کہ انسانی فطرت تبدیل نہیں ہو سکتی۔ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ کشمیری ہند کی رفاقت کا اظہار کریں۔ جن کے عزیزوں کے خون سے مشرقی پنجاب اور نوڈ کشمیر کی زمین رنگین کی گئی وہ اس حقیقت کو کیوں کر فراموش کر سکتے ہیں کہ اگر ان کے برادران اسلام ان کے تحفظ کے لئے اپنی جانیں پیش کرنے کو تیار نہ ہوتے تو وہ کب کے معدوم ہو چکے تھے۔ ہندوستان ہے کہ چند ایک نفوس محسن کش اور دشمن پرورد ہو جائیں۔ لیکن قومیں یہ حیثیت جمہوری خونخوار دشمنوں سے گریزاں اور جان نثار بھائیوں کی قدردان ہوا کرتی ہیں جموں میں عبداللہ کی جان بھی محفوظ نہیں ہے۔ وہ گو پرے درجے کا غدا ہے۔ لیکن ہندو پھر بھی اس سے بیز اس ہے۔ ہندو جموں کے اچھوتوں کو بھی تریخی کر رہے ہیں۔ ان کی قید و بند ہے وہ بھی رنگاری کے خوابان میں۔ ان تمام حقائق کا شناسا نہرو سے بڑھکر اور کون ہو سکتا ہے۔ اس کے نزدیک ہند کی نجات اس میں ہے کہ وہ کشمیر و جموں میں استصواب آراء نہ ہونے دے۔ اور امریکہ کے اس واہمہ سے جہاں تک ہو سکتا ہو فائدہ گیر ہو۔ کہ چین کے بعد اشتراکیت کا مقابلہ اگر کر سکتا ہے تو ہند ہی کر سکتا ہے۔

نہرو کی حیثیت چین کے قوم پرست رہنما سے بہتر نہیں ہے۔ پاکستان کو امید ہے کہ آخر کا متحدہ اقوام کی سکھوں سے تحصب کی پٹی دور ہوگی۔ وہ نہرو نوازی سے محتر ہوگی۔ وہ اپنے وقار کی کچھ توقد کرے گی۔ وہ اپنے ضمیر کی آواز کو کب تک دبائیں گے اسے اپنی آبرو اپنی بقا کے لئے کچھ کرنا ہی پڑے گا۔ اور کشمیر میں آڑا استصواب رائے ہو کر ہی رہے گا۔ اس مسئلہ میں حد درجے کی دیر ہو سکتی ہے۔ لیکن اسے بالکل ترک نہیں کیا جاسکتا ہے کبھی تو کھینچ لائے گی انہیں گورغریاں تک ہماری یاد بھی مدت و امنگیر پھرتی ہے

قومی رضا کار | ہندو مہاسیما کا اقتدار دن پر دن دوبہ ترقی

تعلیمات اسلامی

(مولانا محمد زاہد صاحب الحسینی)

جہاد کا ادا کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا ارشاد ہے کہ جب سلطان مسلم لوگوں سے زکوٰۃ طلب کریں اور وہ انکار کریں تو اسی وقت اس کے ساتھ جہاد کیا جاوے۔

شروط زکوٰۃ زکوٰۃ ہر اس عاقل بالغ پر ادا کرنا فرض ہے کہ جس میں مندرجہ ذیل شروط پائی جاتیں۔

(۱) **نصاب** بر یعنی ہر مال پر زکوٰۃ لازم نہیں بلکہ اس کی خاص تعداد ہے اور مقدار مقرر ہے۔ اگر اس سے کم مال کسی کے پاس ہو تو اس پر زکوٰۃ لازم نہیں۔ وہ نصاب یہ ہے کہ ہر سونے یا اس کا دیوا اگر موجودہ حساب سے سات تولوں سے کم ہوا۔ تو ان میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ اور چاندی اگر ۵۲ روپوں سے کم ہوئی تو اس میں بھی زکوٰۃ نہیں ہے۔

چار پایوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوتی ہے۔ بشرطیکہ وہ سال کا بیشتر حصہ جنگل کے گھاس پر گزارہ کریں۔ ادا ان کی تعداد یہ ہو کہ۔ اونٹ۔ پانچ سے کم نہ ہوں۔ گائے بیل بھینس تیس سے کم نہ ہوں۔ اور بھینس بکری چالیس سے کم نہ ہوں۔

(۲) **سال کا گذر جانا**۔ زکوٰۃ کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی نے مال سے جو نفع اٹھایا ہے اس میں سے وہ دوسروں کی بھی امداد کرے۔ اس لئے اس مالدار کو اتنی مملکت دی جائے کہ وہ کم از کم کچھ تو کمائے۔ سال میں متفرق موسموں آتی ہیں ہر چیز کا بھاؤ بڑھتا اور کم ہوتا رہتا ہے۔ یہ مدت نفع کمائے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ خواہ وہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا ہی ہے۔ گزندہب کی طرف سے اس کو سال بھر کی اجازت ہوتی ہے۔

اسلام کا تیسرا رکن زکوٰۃ یہ لفظ عربی زبان کا ہے اس کا معنی پاک کرنے

کے ہیں۔ چونکہ زکوٰۃ کے ادا کرنے سے مال پاک ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں زکوٰۃ کا حکم تقریباً ۳۴ مقامات پر مفصل طریقے سے آیا ہے۔ جہاں کہیں نماز کا حکم آتا ہے۔ اکثر جگہ اس کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کا حکم بھی موجود ہے۔ زکوٰۃ صرف دین محمدی کا خاصہ نہیں ہے۔ بلکہ پہلے انبیاء پر بھی زکوٰۃ کا حکم ہوا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی حکومت قائم کرنے کا منشاء اور فائدہ یہی بتایا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ ادا کیجائے۔
الَّذِينَ إِذَا مَلَكَتْهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ (الحج) وہ کہ اگر ہم مقدور دیں انکو ملک میں۔ کھڑی کریں نماز اور دیں زکوٰۃ۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ نہ دینا مشرکوں کا کام بتایا ہے۔
وَلَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ كَافِرُونَ (رحم السجدہ ۱۷) اور خدائی ہے ان مشرک والوں کے لئے جو نہیں دیتے زکوٰۃ اور قیامت کے وہ منکر ہیں۔
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت ہی شدت سے اس کا حکم فرمایا ہے۔ جس کے زیر اثر ملت اسلامیہ کے ائمہ حضرت کا مسلک یہ ہے کہ ہر

امام عظیمؒ اور امام احمدؒ تو فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ ادا نہ کرنے والے کو قید کر دیا جائے۔ حتیٰ کہ وہ زکوٰۃ ادا کرے۔ اور اگر باوجود قید ہونے کے زکوٰۃ نہ دیں۔ یا محق بلکہ کریں تو ان کے ساتھ لڑائی کی جائے۔ جس طرح کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے منکرین زکوٰۃ سے

کی پوری تشریح بیان فرمادی ہے۔

إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَ
الْمُقَلَّاتِ قُلُوبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ
اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ ط (توبہ ص ۶۰)

(ترجمہ) زکوٰۃ کا مال ہے فقیروں کے لئے اور مسکینوں کے
لئے اور زکوٰۃ وصول کرنے پر مقرر لوگوں کیلئے اور اسلام کی
طرف میلان رکھنے والوں کیلئے اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے
اور مقررہ مصلحتوں کے قرض ادا کرنے کے لئے اور نیکی کے دوسرے
کاموں کے لئے اور مشافروں کے لئے۔

زکوٰۃ کی ان آٹھ مصروفوں پر عمل کرنے سے ساری قوم
کی مالی مشکلات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اسلئے کہ پہلے اور دوسرے
مصرف پر عمل کرنے سے تمام بھیک مانگنے والوں کا خاتمہ ہو سکتا
ہے۔ سارے ملک کی زکوٰۃ کے ۱/۵ حصہ سے ایک ادارہ قائم
کیا جائے جس سے غریبوں کی باقاعدہ امداد ہو۔

تیسرے مصرف سے محکمہ مال اور دولت کے اندازہ لگانے
والے تمام ملازمین اور عملہ کی تنخواہ ادا کی جاسکتی ہے۔ حکومت سے
بارگراں بھی اتر جائے گا۔ اور ثواب بھی مل جائیگا۔

چوتھے مصرف سے ایک عظیم الشان تبلیغی ادارہ قائم ہو کر
یورپ اور دیگر تمام ممالک میں اسلام کی تبلیغ کی جاسکتی ہے۔

پانچویں کی اگر ضرورت ہو تو یہ ضرورت بھی اس سے
پوری ہو سکتی ہے۔ یہ صرف اسلام ہی کا خاتمہ ہے کہ اس نے
غلاموں کی آزادی کے لئے مال زکوٰۃ کا آٹھواں حصہ مقرر فرما دیا ہے۔

چھٹا مصرف اگر قوم کی نظر میں صحیح طریقوں پر عمل میں آجائے
تو کوئی مسلمان مفروض باقی نہ رہے۔ ایسے ادارے کھول دیئے
جائیں جن سے مقروضوں کی امداد ہو۔ ان کے قرضے ختم ہو جائیں۔

ساتواں مصرف تو بہت ہی عام اور مفید ہے۔ ہر ایک
نیک کام میں امداد اور تعاون اس سے ہو جاتا ہے۔

تو اگر ایک آدمی کے پاس لاکھوں روپیہ چند دن یا کچھ ہفتے یا چند ماہ
رہا۔ اور پھر ختم ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

(۳) اپنی ضرورت سے زیادہ ہونا۔ زکوٰۃ کا مطلب جب یہ ہوا
کہ اس سے غریبوں، بے کسوں کی امداد کی جائے۔ ثواب
یہ ضروری اور لازمی شرط ہے کہ اس کی اپنی ضرورت یا کسی
مال زیادہ ہو۔ مثلاً اگر ایک شخص کی آمدنی ایک ہزار کی ہے۔
اور خرچ دو ہزار ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ ضرورت کی
خرچ سے مراد اپنا اور اہل و عیال کا نان نفقہ ضرورت کے
لئے مکان اور دیگر وہ کام ہیں کہ جن کے بغیر انسانی زندگی
بسر نہ ہو سکے۔ یہ ضروریات ہر ایک انسان کے لحاظ
سے مختلف ہوتی ہیں۔

زکوٰۃ کے فائدے | صرف اسلام ہی کی پاک تعلیم ہے۔ کہ
اس نے غریبوں اور بے کسوں کی امداد
کے طریقے جاری کئے ہیں۔ ان میں سے ایک زکوٰۃ بھی ہے۔ زکوٰۃ
کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی غریب نہ رہ سکے۔ جب ایک آدمی
کے پاس ایک سو روپیہ ہے جس میں سے دو روپیہ دوسرے
غریبوں کی امداد کے ہیں۔ تو آپ یہ اندازہ لگالیں کہ اگر ایمان داری
سادے مسلمان جو مالدار ہیں پوری پوری زکوٰۃ نکالیں۔ اور ان
لوگوں کو دیں جو زکوٰۃ کے صحیح حقدار ہیں تو کسی غریب کا لاچار
اور مفلس ہو کر رہنا ممکن نہ ہوگا۔ ہر ایک انسان پورے پورے
آرام سے اوقات بسر کر سکے گا۔ یہ اقتصادی کشمکش اور طبقاتی
جنگ غربا کی امدادی مشکلات سب کا پورے طور پر خاتمہ ہو
جائے گا۔

زکوٰۃ کن کو دیا جائے گی | اکثر لوگ تو زکوٰۃ دیتے ہی نہیں
اور جو دیتے ہیں وہ بھی لیے
غلط طریقے سے دیتے ہیں کہ حقدار محروم ہی رہتے ہیں۔ مالداروں
کو اور مالدار کر دیا جاتا ہے۔ خداوند تعالیٰ نے زکوٰۃ کے مصرف

اسلامی تہذیب

(اداسہ)

دنیا مجسم ظلم و فساد بن گئی ہے۔ اور انسانوں کی صورتوں میں یہاں بھیڑیے، شیر، چیتے، سانپ، بچھو، گدھے، بندر اور گدھ آباد ہیں۔

دنیا کے شریف، حق پرست، منصف، حقیقت شناس اور دردمند انسان حیران ہیں کہ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ مفکرین و مدبرین عالم اس ظلم و فساد کی ذمہ داری ایک دوسرے پر ڈالتے ہیں۔ اسکی مختلف تو جیہات بیان کی جاتی ہیں۔ مگر کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اور کوئی مانے یا نہ مانے اسکی وجہ صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ ہے کہ دنیا میں اسلامی تہذیب موجود تھی جو صحیح معنوں میں انسانی ترقیات کی موجب، مسرت افزا حضرات کی ضامن، قدر حریت اور شرف انسانیت کی ضامن، عدل و انصاف کی کفیل اور تمام نسل انسانی کے ساتھ سچے و مخلصانہ ہمدردانہ جذبات پیدا کرنے کا باعث ہو سکتی تھی۔

مگر دنیا والوں نے اسکو اختیار نہیں کیا۔ اپنی جہالت و حماقت، تعصب و عناد اور بے بصیرتی و کور ذوقی سے اسکو رد کر دیا۔ حق و صداقت سے منہ موڑ لیا۔ اور یورپ کی نظر فریب تہذیب پر مرمٹے۔ یہ اسی مغربی تہذیب کا شاندار اور روشن کارنامہ ہے کہ اس ملعون تہذیب اور فرنگی تمدن نے انسانوں کو حیوان بنا کر ساری دنیا کو ظلم و فساد سے بھر دیا۔

اس تہذیب کی بنیادیں اس تصور حیات پر رکھی گئی تھیں کہ دنیا میں صرف مادہ ہی ایک مستقل حیثیت رکھتا ہے۔ اسی سے زندگی اور شعور پیدا ہوا۔ لہذا انسان مشین ہے۔ وہ ایک طبیعی پیکر ہے۔ اور ان طبعی تقاضوں کی تسکین اس کا نصب العین

انسانی حکمرانی و قانون سازی، اسکے بہر و استبداد، اسکی ہوس پرستی و جاہ طلبی اور طاقتوروں کے اختیار و اقتدار سے ساری دنیا میں باہم آویزیوں، خانہ جنگیوں اور خونریزیوں سے ایک جہنم کدہ بنی ہوئی ہے۔ مادیت اور قومیت کے ہاتھوں عالم انسانیت تباہ و برباد ہے۔ اور دنیا میں آج ہر شخص راحت و سکون اور صلح و امن کا مشکلاشی ہے۔ مگر امن کہیں بھی نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ دنیا کے جو مفکرین و مدبرین امن کے وعظ کرتے ہیں وہی دنیا میں ظلم و فساد اور بد امنی کے بانی ہیں۔ دنیا میں انہی نے فساد کی آگ لگا رکھی ہے۔ اسلئے دنیا میں کہیں بھی امن نہیں۔

اس کے برعکس ایک قوم دوسری قوم کو کھائے جا رہی ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک کے برخلاف دوسرے ملک سے برسر پیکار ہے۔ ایک پارٹی دوسری پارٹی کو مٹانے پر کمر بستہ ہے۔ ایک نظام دوسرے نظام کو کچا چبا جانے کی فکر میں ہے۔ ایک قانون دوسرے قانون سے ٹکرا رہا ہے۔ ایک فلسفہ دوسرے فلسفہ کو چھٹکارا ہے۔ الغرض قوموں میں، ملکوں میں، پارٹیوں میں نظاموں میں، فلسفوں میں، قوانین میں، عدالتوں میں، اسمبلیوں میں، دفتروں میں، کارخانوں میں، ہنگاموں میں، کوشٹیوں میں، محلوں میں، بازاروں میں، گھروں میں اور ذہنوں میں ہر جگہ اختلاف، نزاع، حسد، رقابت، عداوت، تصادم اور ظلم و فساد برپا ہے۔ انسانوں کی ہر تہذیب بگڑی ہوئی ہے۔ ہر قوم و فعل میں خرابی ہے، ہر فکر و تدبیر میں کمزوری ہے، ہر قدم پر گراہی ہے، ہر جگہ تباہی و بربادی کے آثار نمایاں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری

تمدن کیا ہے؟ اور تہذیب کسے کہتے ہیں؟

یہ دو لفظ ایسے ہیں جو علم و ادب، صحافت و سیاست کی دنیا میں بڑی کثرت کے ساتھ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اخباروں، رسالوں اور کتابوں میں بار بار پڑھے لکھے لوگوں کی نظروں سے گزرتے ہیں اور دھڑواہ و صارت تقریروں میں سنے جاتے ہیں۔ مگر نامور اہل علم و ادب کو چھوڑ کر پڑھے لکھے لوگوں میں بہت کم لوگ ہیں جو انکے حقیقی مفہوم و مفاد سے واقف ہیں۔ اس لئے ان دونوں لفظوں کی حقیقت کو سمجھنا نہایت ضروری ہے۔

لفظ تمدن کا مادہ مدینہ ہے۔ جس کے معنی بتی کے برج یعنی آئین میں مل جل کر رہنا۔ کہا جاتا ہے انسان مدنی الطبع ہے۔ اسکی فطرت میں یہ بات داخل ہے کہ وہ علیحدہ علیحدہ سب سے بے تعلق ہو کر نہیں بلکہ آپس میں مل جل کر اور تنظیم و اجتماعیت کے ساتھ زندگی بسر کرے۔ دراصل اسکی خواہشات و احتیاجات کا مجموعہ اسے مجبور کرتا ہے کہ وہ امداد باہمی کے ذریعہ اپنی ضروریات پوری کرے۔ دوسروں کی مدد کرے اور ان سے اپنی مدد لے۔

دوسروں کے کام آئے اور ان سے اپنا کام لے۔ اس طرح جو لوگ مل جل کر رہیں انکو تمدن کہا جاتا ہے۔ اگر تمدن میں خوبی، شائستگی، حسن اور کمال بھی پایا جائے تو پھر اسی کو تہذیب کہا جاتا ہے۔ یعنی تہذیب تمدن کی ترقی یافتہ اور نثالثہ حالت کا نام ہے۔ اب دنیا میں جتنے ملک اور قومیں بھی ہیں ان میں بعض ملک اور قومیں تو وہ ہیں جن میں تمدن تو ہے مگر تہذیب نہیں۔ اور بعض میں یہ دونوں چیزیں ہیں۔ جن قوموں میں صرف تمدن ہے وہ ذلیل و کمزور اور خجیف و ذلیل ہیں۔ اور جن میں تہذیب بھی ہے وہ آزاد و حکمران اور طاقتور و متقدم ہیں۔ مگر یاد رہے آج دنیا میں جتنی بھی مذہب قومیں ہیں وہ خدا پرست ہیں یا مادہ پرست سب کی سب مغربی تہذیب کی دلدادہ اور مذہب و اخلاق سے آزاد

اس طرح اس تصور حیات اور اسکی پروردہ تہذیب نے اپنے پرستاروں کی آنکھوں پر مادیات کی مادیات کی پٹی باندھ دی، انکی بصیرت کو سلب کر لیا، انکی عقلوں سے حقیقت شناسی کا مادہ چھین لیا، انکے جذبات و احساسات شرافت و پاکیزگی کے نود کو اچک لیا اور انکو اس وسیع و عریض دنیا میں چرنے چلنے اور حقیقتی کرنے کیلئے حیوان بنا کر آزاد چھوڑ دیا کہ جاؤ اب مذہب و اخلاق، حق و صداقت، عدل و انصاف اور نیکی و شرافت کی سرسبز و شا و اب کھیتیاں پامال کرتے پھرو، قلب انسانی کے حسن کو بلیا میٹ کر دو، اعمال صالحہ کی بستیاں اُٹھاؤ دو، نیکی و پاکیزگی کی شمعیں بجھا دو اور اقوام و افراد کے سینوں میں عین و حسد، بغض و عناد اور عصبیت و عداوت کی آگ بھردو۔ تاکہ یہ بوڑھی دنیا میرا تماشا دیکھے اور انسانیت خود کشتی کر کے مرجائے۔

اب اس بگڑی ہوئی دنیا اور فریب خوردہ انسانوں کو کون سمجھاوے کہ نفس و شیطان کے پجاریو اور شکم کے بند و ہوش میں آؤ۔ اور مادیات کی پٹی اتار کر دیکھو تمہاری پیاری تہذیب کس طرح انسانیت کا خون چوس رہی ہے اور تمہاری تباہی و بربادی کے کیا کیا سامان کر رہی ہے۔ اس تہذیب پر لعنت بھیجو، فرنگی تمدن سے اپنا بیچھا چھڑاؤ، بے دین سیاست کو طلاق دیدو۔ اب اسلامی تہذیب کی طرف آؤ کہ تمہاری جتنی مادی آسائش اور روحانی تسکین کا سامان صرف اسلامی تہذیب ہی کر سکتی ہے۔ یہی دنیا کو تباہی سے بچا سکتی ہے۔ یہی دنیا میں پائدار امن قائم کر سکتی ہے۔ اور دیکھی انسانیت کے تمام رنگوں کا علاج ہی تہذیب ہے۔

آئیے اب یہ معلوم کریں کہ اسلامی تہذیب کیا ہے؟ اور یہ دھوکے دہے دھوکے ہی ہیں یا یہ ناقابل تردید حقائق اور اس صداقتیں ہیں۔ پہلے لفظ تہذیب و تمدن کی حقیقت سمجھ لیجئے

بلکہ بیزاریں۔ اور تہذیب و اخلاق سے بیزاری ہی مغربی تہذیب کا طرہ امتیاز ہے۔

مغربی تہذیب تمدن کی تباہ کاریاں

بنیاد چونکہ غلط تصور حیات پر مبنی ہے۔ اس لئے اس نے دنیا میں سب سے بڑا کارنامہ جو انجام دیا وہ مذہب کی بیخ کنی ہے۔ اس تہذیب نے پڑے لکھے لوگوں کے دماغوں میں یہ خیال ٹھونس کہ دنیا میں نیکی ویدی کا سرے سے سلسلہ ہی نہیں پایا جاتا۔ یہ حسن و قبح ہماری تعلیم و معاشرت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ بہت سی باتیں ایسی ہیں جنکو ہم قبیح نگاہوں سے دیکھتے ہیں مگر یہی باتیں دوسری قوموں کے نزدیک تہذیب و ذرہ مناسبت نہیں رکھتیں۔

اس تہذیب نے مادہ پرستی کو پیدا کیا۔ اس سے قوموں اور افراد میں تنگ ظرفی، عصبیت، حرص، حسد، رقابت، عداوت اور غوریزیوں نے جنم لیا۔ چنانچہ تہذیب حاضرہ اپنے جدید کارناموں کی وجہ سے اگرچہ رحمت الہی تھی لیکن چونکہ اسکی بنیاد غلط تھی اس لئے اس تہذیب کے پرستاروں نے اسے ظلم و فساد، جبر و قہر اور قتل و غوریزی کا آلہ بنالیا۔ اور انسانیت کے شیرازہ کو بکھیر کر رکھ دیا۔

لہذا ہم دعویٰ کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ درحقیقت مغربی تہذیب۔ تہذیب ہی نہیں۔ بلکہ نرمی، جہالت و عصبیت ہے۔ دوسرے لفظوں میں ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ بد تہذیبی کا نام تہذیب رکھ دیا گیا ہے۔ تہذیب کے معنی ہیں چھاٹنا، اصلاح کرنا، درست کرنا، خالص کرنا اور پاکیزہ کرنا۔ یعنی وہ پوری انسانی زندگی کی اصلاح و درستی کرے۔ زندگی کے ہر شعبہ اور ہر پہلو سے ہر قسم کی کمزوری، خرابی، عیوب و نقائص اور جہالت و حماقت ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکال دے۔ انسانوں کی فکر و نظر، قلب و دماغ، جذبات

و احساسات، عادات و خصائل، رسم و رواج، علم و ہنر، عبادت و معاملات، زبان و ادب، سیاست و معیشت اور اخلاق و کردار سب چیزوں کو خالص، کھرا، صاف، استھرا اور پاکیزہ بنا دے۔ ان کے تمام افعال و اقوال اور حالات کو اعلیٰ درجہ کی عمدگی پر پہنچا دے انکی تمام ذہنی صلاحیتوں اور عملی قوتوں کو نہایت فوجی اور خوش اسلوبی سے چلا دے۔ لکھنویک طور پر برتنا سکھا دے۔ اور ان پر شہم کی ترقیوں کی راہیں کھول دے۔

فرمائیے! کیا تہذیب مغرب۔ تہذیب کی اس تعریف پر پوری اترتی ہے؟ ہر منصف مزاج انسان یہ ادنیٰ تا مل اسکا جواب دے سکتا ہے کہ وہ اس معیار پر پوری ہی نہیں اترتی۔ وہ تو صرف جسم، لباس، مکان اور ماحول کو صاف کر کے انسان کی باطنی زندگی کو خود غرضی اور نفس پرستی کے چوہے میں پھینک دیتی ہے۔ اب آئیے اسلامی تہذیب کا حسن و کمال اور اسکی خوبی و زیبائی ملاحظہ فرمائیے۔

اسلامی تہذیب کے بنیادی و اساسی تصورات

اسلامی تہذیب کی ابتدا خدا نے واحد و قہار کے تصور سے ہوتی ہے۔ یعنی یہ کہ یہ عالم ہست و بود جو ہمارے گرد و پیش پھیلا ہوا ہے۔ اس کا ایک خالق، مالک، مدبر، بادشاہ اور حاکم ہے۔ یہ ساری دنیا اللہ کی سلطنت و بادشاہت ہے۔ یہاں کائنات کے عہدہ ذرہ پر اسکی حکومت قائم ہے۔ سب چیزیں اسی کے تابع فرمان ہیں۔ باری تعالیٰ کی یہ حاکمیت و فرمانروائی اتنی وسیع اور عمدہ گیر ہے کہ انسان کے بدن کا رتوں و دواں اسی کے قابو کی زنجیروں میں بکڑا ہوا ہے۔ یعنی یہ دنیا و مافیہا پیدا تھی طور پر اسی کی رعیت ہے۔ وہ قادر مطلق ہستی جو اس کائنات پر حکمران ہے۔ اسکی ذات کا ادراک و شعور جو اس غمہ کی گرفت سے بالاتر ہے۔ وہاں عقل و قیاس کی پہونچ نہیں۔ اور ہم ان مادی آنکھوں سے اسکو نہیں دیکھ سکتے۔ اگر ہم اس کا رخاٹہ عالم کو ایک نظم و ضبط کے ساتھ چلتے ہوئے تو

لوٹھی اندھی عقل پر بھروسہ کیا۔ اپنی مادہ پرستی کا ثبوت دیا۔ انسان کا حق ادا نہ کیا۔ عقل سے صحیح کام نہ لیا۔ شرفِ انسانیت کو خاک میں ملا دیا۔ اور مستحقِ عذاب ٹھہرا۔

پس یاد رکھو خدا کا نظر نہ آنا اور سمجھ میں نہ آنا ہی اسکو ملنے کی دلیل ہے۔ یہی ایمان ہے کہ آن دیکھے خدا کو مانا جائے۔ کسی چیز کو دیکھ کر ماننا یا ماننا ہے ایمان نہیں۔ اگر خدا نظر آتا اور انسان اسکو دیکھ کر ماننا تو یہ ماننا کسی کام کا ماننا نہیں تھا۔ یہ خدا پر ایمان لانا نہ ہوتا۔ بلکہ اپنے حواس پر ایمان لانا ہوتا۔ اسی لئے تو حضرت اکبر الہ آبادی نے کہا ہے ۵

”تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

میں جان گیا بس تیری چچان ہی ہے“

یعنی خدا کی پہچان ہی یہ ہے کہ وہ دل میں تو آئے مگر سمجھ میں نہ آئے۔ اگر سمجھ میں آجائے یعنی وہ محسوسات کے دائرہ میں محدود و محدود ہو جائے تو وہ مجبوری حقیقی نہیں ہو سکتا۔ وہ کوئی خود ساختہ، فرضی، اور وہی طاقت ہو تو ہو لیکن خدا نہیں ہو سکتا۔ روحانیت کی بنیاد، اخلاق کی جان اور انسانیت کا طرہ امتیاز واقفاری ہے۔ چنانچہ کہ انسان اپنی سرکش عقل، متمرّد نفس اور اندھی سمجھ کا کان پر کڑ کر لئے خدا کے سامنے جھکائے، خدا کی ہستی منہ پر اپنے دل میں خدا کے خوف اور محبت دونوں کو صحیح امتزاج و تناسب کے ساتھ جھکائے اور پھر اپنے جسم کو اطاعت الہی کے وقف کر دے۔

یہ ہے اسلامی تہذیب کی پہلی بنیادی اینٹ۔ یعنی خدا کیا ہے؟ اور یہ کائنات کیا ہے؟ اس کا ایک سرسری اور سطحی سا خاکہ آپ کے سامنے ہے۔ عقل و شعور انسانی کا یہ پہلا فرض اور پہلا قدم ہے۔ اگر یہ قدم صحیح اٹھے تو پھر شرفِ انسانیت تکمیلِ نفس، ارتقاءِ تمدن، تسلسلِ حیات اور فلاحِ انسانیت کی تمام مترلین سڑے ہو جاتی ہیں۔ اور یہی قدم غلط اٹھے تو یہ سب

دیکھتے ہیں۔ مگر وہ ہستی نظر نہیں آتی جو اس کا رخا نہ کو چلا رہی ہے۔ تو یہ اس کا نظر نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں کہ خدا موجود ہی نہیں۔ اور یہ کا رخا نہ یونہی قائم ہے۔ یونہی چل رہا ہے اور یونہی ایک دن ختم ہو جائیگا۔ یہ ”یونہی“ محسوسات کے نوگر اور مادہ کے پجاری انسان کی سب سے بڑی جہالت و بے خبری اور حماقت و نادانی ہے۔ دراصل اس کائنات خالق و حاکم کا نظر نہ آنا اور اس میں حکمت و تدبیر ربط و ارتقا اور نظم و ضبط کا پایا جانا ہی اس امر کی زبردست دلیل ہے کہ خدا ہے اور وہی اسکو چلا رہا ہے۔

یہ ایک ناقابلِ تردید عقلی قاعدہ ہے کہ کوئی وجود موجود کے بغیر نہیں پایا جاسکتا۔ خواہ ہم نے اسکو دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو، وہ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور ہم اسکو مانیں یا نہ مانیں بہر حال یہ دلیل اپنی جگہ قائم رہے گی۔ کہ دنیا میں کوئی چیز موجود ہو اور اس کا موجود نہ ہو۔ پس یہ کائنات ہی بطور خود اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا ایک خالق و حاکم ہے۔ البتہ یہ بات صحیح ہے کہ ظاہر حواس سے یہ کہیں محسوس نہیں ہوتا کہ انسان کسی کا محکوم ہے اور اسکو کسی کے سامنے جوابدہ ہونا ہے۔ یہ فرماں روا لئے عالم کی حاکمیت اور اپنی محکومیت و مسئولیت کا حال غیر مشتبہ طور پر نہ کھٹکتا ہی انسان کی سب سے بڑی آزمائش اور ایمان کی حقیقت ہے۔ انسان کو اس آزمائش میں اسلئے ڈالا گیا ہے کہ وہ آن دیکھے خدا کو ماننا ہے یا نہیں؟ وہ اپنی عقل پر بھروسہ کرتا ہے یا کائنات کی ہر چیز کے اشارہ کو بھی سمجھتا ہے جو اپنے خالق و حاکم کا پتہ دیتا ہے۔ اگر اس نے کائنات کے اشارہ کو سمجھ کر خدا کو مان لیا تو کمائی کیا، اپنے انسان ہونے اور عقل سے صحیح طور پر کام لینے کا ثبوت دیا، بارگاہِ الہی میں انعام و اکرام کا مستحق ٹھہرا اور اپنی حقیقت سے آشنا ہو گیا۔

اور اگر محض اس بنا پر خدا کو ماننے سے انکار کر دیا کہ وہ دکھائی نہیں دیتا اور سمجھ میں نہیں آتا تو اس نے اپنے حواس کی

چیزیں غلط ہو جاتی ہیں۔ اعدائے انسانیت تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔
غوب سمجھ لیجئے انسانوں کی لگڑہی اور بربادی کی جڑ یہ
ہے کہ وہ مادہ ہی کو سب کچھ سمجھ لیں، اپنی زندگی، اپنے علم،
اپنی عقل، اپنے تجربہ اور اپنے مشاہدہ کو صرف مادہ تک محدود
اور اسی میں گم کر دیں۔ مگر ابلیس نے ہمیشہ اسی راستہ پر انسان
کو لگایا۔ اور آج مغربی تہذیب اسی راستہ پر ساری دنیا کے انسانوں
کو لئے جا رہی ہے۔

بات اصل میں یہ ہے کہ فطرت انسانی کی آرزو بقائے
دوام اور حیات جاودان ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔
اس لئے روز ازل ہی سے انسان کے سامنے یہ سوال اور حل طلب

معمہ رہا ہے کہ اسکے حصول کا ذریعہ کیا ہے؟ دنیا کے تمام
مذہب، اصول، فلسفے، عقیدے، ضابطے اور نظام اسی سوال
کا جواب اور اسی معمہ کے حل کی مختلف و متضاد کوششیں ہیں
اس کا صحیح حل عالم ازل ہی میں انسان کو یہ بتلا دیا گیا تھا کہ وہ
خدا لئے واحد اور معبود حقیقی پر ایمان لائے اور اسی کی ہدایت پر
چلے۔ جن معبود انسانوں نے انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے
مطابق خدا کو مانا اور اسکی ہدایت پر چلے وہ بقائے دوام اور حیات
جاودان کے مالک بن گئے۔ اور جنہوں نے اُن سے منہ موڑا وہ
میدان ضلالت میں پھٹکے رہے۔ اور مرنے کے بعد جہنم کا ایندھن
بن گئے۔

ابلیس نے انسانوں کو ماہ حق پر نہیں آنے دیا۔ اور
انکو عقل کے ذریعہ یہ نکتہ بتا دیا کہ خدا کو ٹی مانے کیسے۔ وہ
نظر تو اتار ہی نہیں۔ لہذا اسکی ہدایت پر چلنے کا سوال بھی پیدا

نہیں ہوتا۔ اب کیا تھا انسانوں نے خداؤں کو اپنے دماغوں سے
گھڑنا شروع کر دیا۔ اور بتائیں کروڑوں بتاؤں کی ایک لمبی چوڑی
فہرست تیار ہو گئی۔ جب انسانوں کا اپنے خود ساختہ خداؤں سے
پیٹ بھر گیا اور اپنی حماقت ان پر ظاہر ہوئی تو پھر ابلیس نے اُن سے

بتوں کی پرستش چھڑوا کر خود انسانوں کو خدا بنانے اور انکی حاکمیت
و قانون سازی پر ایمان لانے کے راستہ پر لگادیا۔ اور ان کے سامنے
یہ نظریہ زندگی لا رکھا کہ ہر

انسان جس شکل میں آج ہمارے سامنے موجود ہے وہ
وہ ابتداء اسی شکل میں وجود میں نہیں آگیا۔ بلکہ اولین جرثومہ
حیات ارتقائی مراحل طے کرتے اور مختلف منازل میں سے
گزر تے گزر تے اس مقام تک پہنچا ہے۔ لہذا اس کا کوئی
خالق نہیں۔ وہ خود بخود دنیا میں آگیا ہے۔ وہ اپنا ہادی آپس
اور اسکو انسانوں کے دماغوں سے باہر کسی ہدایت و رہنمائی کی
ضرورت نہیں۔ چلیئے مذہب و اخلاق کا قصہ ختم ❖

بقیہ صفحہ ۱۳۳ - اثر پذیر ہو کر ہاتھ بھی کھڑا کر دیتے ہیں۔ رضا کاروں
رجسٹروں میں اپنا نام بھی درج کرا لیتے ہیں۔ لیکن اس عند کی بنا پر
پرید نہیں کرتے کہ صبح کی سردی برداشت نہیں ہو سکتی۔ قواعد
کی سختیاں برداشت نہیں ہو سکتیں۔ ہم پت ہمتی اور نزاکت کا بڑی
طرح شکار ہو چکے ہیں۔ زمانے کے کسی تازیانے نے بھی ہمیں چوکانا
نہیں کیا۔ ہم اتنی گری نیند سوس رہے ہیں کہ صو اسرافیل بھی ہمیں
بیدار کرنے سے قاصر ہے۔ دوستو! سونے کا وقت نہیں غفلت
کا زمانہ نہیں۔ خدا را مجاہد ہو، دشمنوں کے ارادوں کو پامال کرو۔

اُن ہاتھوں کو توڑنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ جو تمہیں دبائے کے
در پے ہیں۔ اُن آنکھوں کو پھوڑنے کے لئے عزم بالجزم کر لو
کہ جو تمہاری سرحدات کی جانب غاصبانہ نیت سے دیکھ رہی
ہوں ❖ (بصیرت)

بقیہ صفحہ ۱۳۳ - آٹھواں مصرف اسکا گفیل ہے کہ کوئی مسافر بھی بے
سرو سامان پریشان نہ رہے۔ مسافر خانے۔ سیل اور دیگر تمام وہ ادارے
اس خرچ سے قائم ہو سکتے ہیں جو مسافروں کی امداد میں مفید ہو
اور معاون ہوں۔ (نفیٹ) ۱۹۱۷ء کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ (باقی بر صفحہ ۱۳۴)

جھوٹے نبیوں کا استیصال

حضرت صدیق اکبرؓ کا زہرین کا سنامہ

(محترم مولانا غلام دستگیر صاحب دہلوی)

ترجمہ: مولانا غلام دستگیر صاحب دہلوی

دشمن کی مذاہبیں معاف کر دی گئیں۔

مسئلہ نے چالیس ہزار کی زبردست جمعیت فراہم کر لی تھی۔ جس کو شکست دینا تاہذا یزدی کے بغیر مٹھی بھر مسلمانوں کے لئے ناممکن تھا۔ اس مہم کو سر کرنے کے لئے بڑے بڑے قوی دل ایماندار مسلمانوں کو جائیں مشارکنا پڑیں۔ چنانچہ جب دشمن کے دباؤ سے اہل اسلام کے قدم ڈگمگانے لگے۔ تو حضرت قیس بن ثابتؓ نے مفرورین کو مخاطب کر کے فرمایا: اے مسلمانو! غرار کی عادت نہ ڈالو۔ پھر فرمایا: یا اللہ میں تیرے سامنے اہل یمامہ کے معبود سے اور بھاگنے والے مسلمانوں سے اظہار نفرت کرتا ہوں۔ پھر کہا: مسلمانو! دیکھو حملہ یوں کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر حملہ کیا۔ لڑائیک دشمن کی ضرب سے پاؤں کٹ گیا۔ وہی کٹا ہوا پاؤں اٹھا کر اس زور سے مارا کہ حریف کا کام تمام کر دیا۔ اور خود بھی شہید ہو گئے۔

مسلمانوں کو پاپائی سے روکنے کے لئے دوسرے غازی حضرت عمرؓ کے بھائی زید بن خطاب تھے۔ انہوں نے لکڑا کر کہا: یہ

مسلمانو! خیموں سے ہٹ کر کہاں جاؤ گے۔ واللہ میں اس وقت تک کلام نہیں کروں گا کہ یا دشمن کو شکست دیدوں یا شہید ہو کر خدا کے سامنے معذرت پیش کروں۔ پھر کہا: اے لوگو! مصائب برداشت کرو۔ لگائیں تمام لو اور قدم بڑھاتے ہوئے دشمن پر

رسول اللہ ﷺ علیہ وآلہ وسلم کا کامیاب عہد مبارک دیکھ کر اور یہ سمجھ کر کہ کامیابی کے لئے نبوت کا دعویٰ کر دینا ہی کافی ہے۔ چار مذہبیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے۔

(۱) اسود عینی بن کے مقام صفائیں۔ جو ابتدائیں کامیاب ہوئے اور آخر کار ناکام مر گئے۔

(۲) طلحہ جو قبیلہ بنی اسد سے تھا۔ اس نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں خلافت کے ہاتھ سے شکست کھا کر توبہ کر لی۔ اور مکہ کو جاتے ہوئے جب مدینہ کے پاس سے گذرا تو کسی قبیلے نے خبر دی کہ جھوٹا مدعی نبوت جا رہا ہے۔ حضرت صدیقؓ نے فرمایا کہ جب وہ داخل مدینہ ہو چکا تو اس سے کچھ تعرض نہ کر کیا جاسکتا۔ جیسے وہ وہ مخالفت فاروقی میں مدینہ حاضر ہوا اور امیر المؤمنین کے ہاتھ پر جیت کی۔

(۳) مسلمان کذاب یہ قبیلہ بنو حنیفہ سے یمامہ واقع ملک نجد کا باشندہ تھا۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ مجھ کو رسول اللہ ﷺ علیہ وسلم نے شریک رسالت کر لیا ہے۔ عیاشوں کو ساتھ لانے کے لئے اس نے شراب و زنا کی حلت کا حکم دیدیا تھا۔

(۴) سجاح نام ایک عورت بھی مدعیہ نبوت بن کر مین سے اٹھی اور اس نے نماز سے سجدہ موقوف کر دیا۔ اور جب مسلمان کذاب سے نکاح کیا تو اس کے سر میں پیروں کے لئے صبح

حالت میں وحشی نے اپنا حربہ چلایا۔ جس کے صدمے سے وہ گر پڑا۔ اور ایک انصاری نے بڑھ کر اس کا سر کاٹ لیا۔ یہ معرکہ بمقام حدیفہ ہوا تھا۔ یہاں دس ہزار مرند کھیت رہے۔ اور یہ جگہ ”حدیفۃ الموت“ کے نام سے مشہور ہوئی۔ مدینہ اور بیرون مدینہ کے تین تین سو مسلمان شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ دوسرے اہل اسلام کو درجہ شہادت نصیب ہوا۔

یہ ساری فتح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عزم مستحکم اور قوت ایمانی کا نتیجہ تھی۔ اگر آپ جھوٹے نبیوں کے استیصال پر کمر بستہ نہ ہوتے تو بعد میں ہر جھوٹے مدعی کے لئے یہ کہنے کی گنجائش نکل آتی کہ محمد رسول اللہ صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ لیکن حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عمل نے ثابت کر دیا کہ اب جو بھی دعویٰ نبوت کرے جھوٹا ہے۔ کیونکہ نبوت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم اور ظلی و بردی کی حجت ناقابل تسلیم ہے۔

بقیہ ص ۲۴ کے حالات روشناس کرایا جائیگا۔ فقط والسلام اس جگہ فقہ حنفی کا شجرہ لکھا جاتا ہے جو ہر شخص کو معلوم ہونا ضروری ہے۔

(شجرہ مذہب حنفی)

اللہ جلّ جلالہ کے رسول

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ... آپ کے حیل القدر صحابی

(۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ... ان کے جانشین

(۲) حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ ... ان کے جانشین

(۳) حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ ... ان کے جانشین

(۴) حضرت حماد رضی اللہ عنہ ... ان کے جانشین

(۵) حضرت امام اعظم نغان بن ثابت رضی اللہ عنہ

لوٹ پڑو۔ اسے گروہ اسلام تم خدا کی ججیت ہو۔ اور تمہارے دشمن شیطان کی لشکر ہیں۔ غلبہ خدا اسکے رسول اور اس کے انصار کیلئے ہے۔ میری مثال کی پیروی کرو۔ اور جو میں کرتا ہوں تم بھی وہی کرو۔ یہ کہہ کر حضرت ذی ثثیر رکھنا ہو کر دشمن پر جا پڑے اور شہادت سے سرفرو ہوئے۔

پھر حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ نے لٹکا کر کہا وہ

اے قرآن والو! قرآن کی زینت عمل سے بڑھاؤ۔ یہ کہہ کر دشمن پر ہل بول دیا۔ اور شہید ہو گئے۔

ابو حذیفہ کے بعد حضرت براہ بن مالک جوش سے لرزہ بر اندام اٹھے اور دل استوار کر کے لٹکا رہے کہ اسے گروہ مسلمین کدھر کا ارادہ ہے۔ میں براہ بن مالک ہوں میری طرف آؤ۔

ان زرقیوں اور شہداءوں کا یہ اثر ہوا کہ مسلمان پورے جوش کے ساتھ پلٹے اور دشمن پر لوٹ پڑے۔ ایک تیر قضا حضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی کمان سے نکلا اور مسلمین کے مشہور سردار محکم بن طفیل کے گھے میں پیوست ہو گیا۔ اور اسکا کام تمام کر گیا۔ مسلمین سپاہ ہو کر ایک چار دیواری میں قلعہ بند ہو گیا۔

اس حالت میں حضرت براہ بن مالک نے باہر اٹھنا کہ مجھے اٹھا کر اندر پھینک دو۔ چنانچہ ان کے مجبور کرنے پر لوگوں نے انہیں دیوار پر پہنچا دیا۔ اور وہ نیچے کود پڑے۔ اور بڑی جاں بازی سے کام لیکر دروازہ کھول دیا۔ مسلمان اندر داخل ہو گئے۔ مسلمین اپنے مقام پر کھڑے فوج کو ڈار لیا تھا۔ پھر خالد نے ہر قبیلہ کو الگ الگ جھنڈ دیکر حملہ کا حکم دیا۔ اور کہا اب معلوم ہو جائے گا کہ کون زیادہ چست اور کون سست ہے۔ اس سے ہر قبیلہ والے جان توڑ کر لڑنے لگے۔ خالد آگے بڑھ کر مبارز طلب ہوئے پھر جو بھی سامنے آیا مارا گیا۔ صفوں کو چیرتے ہوئے مسلمین کی طرف بڑھے۔ اسکے پلے ثبات متزلزل ہو گئے۔ اور سپاہ میں بھاگ مچ گئی۔ اس

مسلمانوں کے فساد زوال کی ابتداء

صحیح قیادت و رہنمائی کا فقدان

(اداسک)

ہوئے ہے۔ احیاء اسلام کی راہ میں قدم قدم پر موانعات و مشکلات کے پہاڑ اور مصائب و آلام کے سمندر حائل ہیں۔ مکاروں اور خود غرضوں و نا اہلوں نے مذہب و سیاست کی مسندوں پر قبضہ کر رکھا ہے۔ مخلصوں، خدا پرستوں اور قابل و صالح افراد امت کو کوئی دو کوڑی کو نہیں پوچھتا۔ ہر طرف بے دینی، عیاشی، مکاری، منافقت اور نا اہلی کا دور دورہ ہے۔ غلامی کے زمانہ میں جتنی دینداری، بیداری، حق پرستی، جرأت و بیباکی اور حب اسلامی پیدا ہو گئی تھی۔ وہ بھی اب ختم ہوتی نظر آرہی ہے۔ یہ صورت حال بدرجہ غایت المناک اور جگر خراش ہے۔

ضرورت ہے کہ اس ناکامی اور بے اثری کے اسباب کا سراغ لگایا جائے۔ اور معلوم کیا جائے کہ آخر اسکی کیا وجہ کہ مسلمان اسلام سے دور اور نفور ہوئے جا رہے ہیں؟ میرے فہم ناقص اور محدود معلومات کے مطابق اس کا واحد سبب یہ ہے کہ مسلمانوں کو صحیح قیادت و رہنمائی میسر نہیں۔ صحیح قیادت و رہنمائی سے میری مراد یہ ہے کہ ایسی قیادت جو اسلامی خصوصیات..... کے مطابق علم و عمل، مذہب و سیاست اور دین و دنیا دونوں کی حامل ہو۔ اور اس کو علمی فضل و کمال اور زہد و اتقا کے ساتھ ساتھ ادا و اقتدار بھی حاصل ہو۔ تمام ممالک اسلامیہ کی حالت یہ ہے کہ جہاں دین ہے وہاں دنیا نہیں اور جہاں دنیا ہے وہاں دین نہیں۔ جہاں

یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ محمد حاضر کے مسلمان بڑا نام مسلمان ہیں۔ ایمان و عمل صالح کی حقیقی روح سے محروم ہیں۔ حقیقی اسلام سے نہ صرف دور بلکہ نفور ہیں۔ نہ ان کے عقائد اور افکار و نظریات اسلامی عقائد و نظریات کے مطابق ہیں۔ نہ انکی ذہنیت اسلامی ہے نہ سیرت و کردار اسلامی۔ انکی زندگی تمام پہلوؤں میں فساد و بگاڑ پوری طرح سرایت کر چکا ہے۔ ان کے تمام عقائد و اعمال بگڑے ہوئے اور اسلامی تعلیمات و ہدایات سے ہٹے ہوئے ہیں۔ وہ دن بدن مذہب و اخلاق کی گرفت سے آزاد اور بیزار و متنفر ہوتے جا رہے ہیں۔ حتیٰ کہ بعض امور میں تو انکو اسلام سے چیر ہے۔ غرض یہ کہ انکی ساری کی ساری زندگی فاسد ہو گئی ہے۔

ہر ذی بصیرت اور دردمند مسلمان کو اس دینی زوال اور اخلاقی انحطاط کا احساس ہے۔ علمائے حق، سچے مشائخ کرام، لیڈران قوم، مفکر و مدبر، ادیب و شاعر اور مصلحین امت اس صورت حال کا بہت طرح حشر و پرہیز رہے ہیں۔ زبانیں قف ماتم ہیں۔ مگر باوجود اسکے مسلمان اسلام کی طرف نہیں آ رہے۔ اسلامی انقلاب کا دور دورہ نہ نہیں۔ دین و اخلاق کی قدر و قیمت دن بہ دن کم ہوتی جا رہی ہے۔ سچی خدا پرستی، حقیقی دینداری اور واقعی مسلمانی کا کہیں نشان تک نہیں ملتا۔ علمائے حق کی آوازیں اٹھتی ہیں۔ اور چھائی ہوئی طاغوتی طاقتوں سے دب کر فنا ہو جاتی ہیں۔ بے دینی و دینداری کے تمام راسخ رو کے

وفا کر دیا۔

اسلام نے اپنے عہد نبوت اور خلافت راشدہ کے نظام سے آنے والی نسلوں کو اپنا نصب العین، پروگرام و اصول سب کچھ دکھا اور سمجھا دیا تھا۔ مثلاً دیا تھا کہ مسلمانوں کو کسی شخصیت یا شخصیتوں کی بجائے اسلام کے اصولوں کو اپنی انفرادی و اجتماعی سرگرمیوں کا محور بنانا چاہیے۔ اسلام کا اصول اس کا نصب العین، اس کا نظام اور اس کا پروگرام سب کچھ کتاب و سنت سے لیا چاہیے۔ زندگی کے تمام معاملات و مسائل اور پیش آمدہ حالات و واقعات میں ہدایت و رہنمائی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ہی سے حاصل کرنی چاہیے۔ زندگی کا مرکز خدا تعالیٰ کی ہستی کو۔ اور اشخاص کی عقیدتوں کے بجائے پائدار اصولوں کی بنیاد پر قصر تمدن کو تعمیر کرنا چاہیے۔ مگر ہمارے علماء و صوفیاء نے ان سب چیزوں کو بھلا دیا۔

آہستہ آہستہ اسلام کا انقلابی نظریہ انکی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔

قرآنی بصیر اور اسلامی فہم سر محرومی | عہد نبوت اور خلافت راشدہ

سے جوں جوں بُجھ ہوتا گیا علماء و صوفیاء کی اکثریت قرآنی بصیرت اور اسلامی فہم سے محروم ہوتی گئی۔ اس محرومی سے ایک طرف تو مسلمان صحیح قیادت و رہنمائی سے محروم ہو گئے۔ دوسری طرف ملوکیت کو بڑھنے اور مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی پر چھا جانے کا موقع مل گیا۔ مؤمنین صالحین کا طبقہ مسجدوں، خانقاہوں اور مدرسوں میں محدود و منفید ہو گیا۔ اور فساد و فحشاء تمدن و سیاست پر چھا گئے۔ پھر دنیا پرستی اور غایت پسندی کے مرض نے مسلمانوں کو چاروں طرف سے آگھیر لیا۔

قوم دو طبقوں پر مشتمل ہو کر گئی ہے۔ طبقہ خواص اور طبقہ عوام۔ قوم کا دل و دماغ خواص ہوا کرتے ہیں۔ یہ علم سے بہرہ ور ہونے اور سوچنے سمجھنے والا دماغ رکھتے ہیں۔

اسلام کا صحیح علم پایا جاتا ہے وہاں اسلام کا صحیح عمل نہیں ملتا۔ اور جہاں عمل ملتا ہے وہاں علم نظر نہیں آتا۔ ساری دنیا کے مسلمان دو مخالف و متضاد کمپیوں میں بٹ گئے ہیں۔ یعنی دنیا دار اور دیندار۔ ایک طرف دیندار ہیں اور دوسری طرف دنیا دار۔

یہ دین و دنیا کی تفریق و علیحدگی وہ مگر ابھی اور سب سے بڑا فرق ہے جس نے بیشمار گمراہیوں اور قتلوں کو جنم دیا۔ اور مسلمانوں کو دین و اخلاق سے دور پھینک دیا۔ دنیا اسلام کے مسلمانوں کو جس چیز نے تباہ و برباد کیا وہ یہی دین و دنیا کی تفریق اور مذہب و سیاست کی علیحدگی ہے۔ اس نے مسلمانوں کو نہ دنیا کا رکھا اور نہ دین کا۔ نہ وہ کافر بنے اور نہ مسلمان رہے۔ نہ خدا ہی ملا نہ وصال صتم۔ نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے۔ جسکی ہر چیزیں جہیں بنتی تھی موج انقلاب۔ آج وہ رہبر نہیں صوفی نہیں ملانیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں یہ بیماری اور مگر ابھی کیسے پیدا ہوئی؟ اس کا مختصر جواب یہ ہے کہ اس امت کی امامت و پیشوائی اور قیادت و رہنمائی کے صحیح اور جائز حقدار علمائے کرام ہیں۔ یہی حضرات علوم نبوت کے وارث اور نبی کے قائم مقام ہیں۔ مسلمانوں میں ملوکیت نے پیدا ہو کر علماء کے ہاتھ سے مادی اقتدار چھین لیا۔ فلسفہ یونان نے ان کے دماغوں پر چھا کر مار کر مومنانہ بصیرت و اجتہاد کو ختم کر دیا۔ اور راہبانانہ تصوف نے ان کے مجاہدانہ عزم و ہمت کو خاک میں ملا دیا۔ نتیجہ یہ کہ ان کی نگاہوں سے اسلام کی صراط مستقیم اوجھل ہو گئی۔ وہ زندگی کے میدان سے پسپا ہو گئے۔ علمائے حق ہر زمانہ میں پیدا ہوتے اور اسلام کی صراط مستقیم کا پتہ دیتے رہے۔ مگر ان کی تعداد کم ہوتی اور علمائے سوء کی زیادہ ہوتی چلی گئی۔ ان علمائے سوء نے فساد و فحشاء کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے تمام عقائد و اعمال کو مسموم

جاہ و منزلت اور اثر و اقتدار کے مالک ہوتے ہیں۔ انکے بننے اور بگڑنے پر قوم کا بننا اور بگڑنا موقوف ہوتا ہے۔ ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز اور زمانہ کی رفتار کو پہچانیں، عوام کی حالت کا جائزہ لیں، انکی فلاح و بہبود اور تنظیم و ترقی کی راہیں نکالیں اور انہیں پر عوام کو چلائیں۔

یہاں خواص سے میری مراد علماء و صوفیاء ہیں۔ یاد رہے کہ اسلام میں علماء و صوفیاء کے دو علیحدہ علیحدہ طبقے نہیں۔ یہ دو طبقے اس وقت پیدا ہوئے جب ظاہر و باطن میں تفریق ہوئی۔ حالانکہ یہ زندگی کے دو رخ ہیں۔ مگر مسلمانوں کی نا سمجھی و بد بختی سے یہ دو گر وہ پیدا ہو گئے۔ ان کے پاس کتاب اللہ کی ہدایت، مشکوٰۃ نبوت کی روشنی اور خلفائے راشدین کا نمونہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انکو سوچنے سمجھنے والا دماغ دیا تھا۔ ان کا فرض تھا کہ مضبوطی کے ساتھ اسلام کی صراط مستقیم پر قائم رہتے، بدلتے ہوئے حالات میں موافق بصیرت و استقامت اور مسلمانہ سیرت و کردار کا ثبوت دیتے اور مسلمانوں کو اسلامی تنظیم و ترقی کی راہیں سنبھالتے رہتے اگر مسلمانوں نے اسلامی حدود و قیود کو توڑ کر اسلامی احکام سے آزاد ہونا شروع کر دیا تھا اور ملوکیت کی تباہ کاریاں انکے یقین و ایمان اور سیرت و کردار کو رفتہ رفتہ ختم کر رہی تھیں اور امراء و حکام کے سامنے انکا اثر و اقتدار دم توڑ رہا تھا تو خود ان کو تو اسلام کے راستہ پر قائم رہنا چاہیے تھا۔ یہ کہاں کی قیادت و رہنمائی اور مذہبی پیشوائی تھی کہ وہ ارباب حکومت کی ہاں میں ہاں ملانا اور عوام کے پیچھے بھاگنا شروع کر دیں۔ یہ چیز عوام کے دین و اخلاق کو تباہ کر گئی کہ ان لوگوں نے اُس طریقے کو جو احکام اسی کے مطابق ہدایت کرنے والے ائمہ کا تھا چھوڑ دیا۔ اور انسانی نظاموں، رد و احوال اور فلسفوں کو اپنے دل و دماغ پر مسلط کر لیا۔

یونان کا فلسفہ جس نے انسانوں کو خیالی، فرضی اور وہمی دنیا میں رہنا اور عملی جدوجہد سے جان چرانا سکھایا۔ وہ گمنامی کی موت مر گیا ہوتا مگر ہمارے علماء و فضلاء نے اس کی سرپرستی کر کے اسکو بچا لیا۔ اور پھر یہ زہر مسلمانوں کو مارنے کے کام آیا۔ مسلمانوں میں اس فلسفہ کے آتے ہی عجبی تخیلات اور رہبانی تصورات دل و دماغ پر چھا گئے۔ یقین و ایمان کی جگہ عقلی دلیلوں نے لے لی۔ منطق و کلام اور فلسفہ نے اسلام کے ایک نظریہ و عقیدے اور خیال کو مشکوک بنا دیا۔ بحث و جدال کے طوفان میں اسلام کے مقاصد و کلیات اور اصول و نظریات اس طرح بے کہ عوام و خواص تو حید و رسالت تک کی روح سے نا آشنا ہو گئے۔ منطق و کلام کے اصولوں کو دیں راہ بنا لیا گیا۔ قضایا مرتب ہوئے، صغریٰ و کبریٰ کی انجھنیں پیدا ہوئیں۔ انسانی ذہنوں کے تراشے ہوئے ضابطوں کی پابندی کو بہر حال قائم رکھا گیا۔ قرآن و حدیث کو اور اسلام کے حقائق و معارف کو مشائین اور اشرافیہ کے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے گا۔ نتیجہ یہ کہ اسلام کی سادگی، فطرت اور عملیت رخصت ہو گئی۔ اسلامی علوم و فنون میں عجبی اور غیر اسلامی فنون کا دروازہ کھل گیا۔ ہمارے مذہبی پیشوا منطق و کلام اور فلسفہ کی بحثوں میں منہمک رہے اور عوام کی زندگیاں بگڑتی چلی گئیں۔ جب آنکھ کھلی تو نظر آیا کہ ساری دنیا کے مسلمان کفار و مشرکین سے مادی و ذہنی اعتبار سے مغلوب و مقہور اور غلامانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ تمدنی اور سیاسی امور میں کافرانہ طور طریقوں میں اپنی تنظیم و ترقی کی راہیں ڈھونڈ رہے ہیں۔ اور اسلام کی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے۔ احیاء اسلام کی تمام راہیں بند ہیں۔ اور وہ بہت بڑی طرح قومیت و وطنیت کا شکار ہیں۔ یہ دیکھ کر ہمارے بیدار مغز اور زمانہ شناس علماء نے بھی وطنیت اور قومیت کا

راگ الاپنا شروع کر دیا۔ اس چیز نے مسلمانوں کو اور بھی زیادہ اسلام سے دور کر دیا۔

کتاب سنت اعراض وانحراف | رسول مقبول صلی اللہ علیہ

و مسلم کا مشہور ارشاد تھا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی مانند ہیں۔ یعنی جو کام حضور سے پہلے بنی کیا کرتے تھے وہی کام میری امت کے علماء کریں گے۔ نیز آنحضرت صلعم کی آخری وصیت تھی کہ ”میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ کتاب اللہ اور میری سنت۔ جب تک تم ان دونوں چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے“ ان ارشادات عالیہ کے مطابق علماء کا منصب تھا کہ وہ نبیوں کے طریقہ کے مطابق مسلمانوں کو اور ساری دنیا کے انسانوں کو اسلامی نظام حیات اور اللہ کی اطاعت و بندگی کی طرف دعوت دیتے رہتے۔ مذہبی اور سیاسی امور میں کتاب و سنت کی پیروی پر تمام کوششیں صرف کر دیتے اور دونوں چیزوں کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ عقائد و عبادات اور اطاعت الہی کی دعوت دیتے رہے۔ مگر تمدن و سیاست میں مسلمانوں کو آزاد چھوڑ دیا۔ کہ وہ کفار و مشرکین کے طریقوں پر چلیں۔ غیر الہی نظاموں کے ماتحت حقوق طلبانہ اور گمراہ زندگی بسر کریں۔ اور فساد و فحار کی لیڈریاں اور رہنمائی قبول کئے رہیں۔

یا تو ہمارے مذہبی پیشوا مسلمانوں کی عملی زندگی سے الگ اور سیاسیات و اقتصادیات سے کنارہ کش رہے۔ یا پھر سیاست میں حصہ لیا اور عملی زندگی کے میدان میں قدم رکھا تو اس شان کے ساتھ کہ کتاب و سنت کی ہدایت و روشنی کے مطابق خود رہنمائی نہیں بنے۔ اور لوگوں کو سیاست انبیاء

سے آشنا نہیں کیا بلکہ بے دین سیاست ہی کو اپنا اور ہمارا سمجھونا بنالیا۔ غیر اسلامی افکار و نظریات پر قرآن و حدیث کے اصول و احکام کسی طرح کھینچ تان کر منہ دے دیئے جائیں۔ اس کوشش میں چاہے قرآن و حدیث کے نصوص و تصریحات کی کتر بیونٹ اور کاٹ چھانٹ بھی کیوں نہ کرنی پڑے۔ سیاسیات و اقتصادیات کے غیر اسلامی تصورات کو اسی نقطہ نگاہ سے دیکھا گیا۔ حتیٰ کہ کفار و مشرکین اور ملحدین کی قیادت و رہنمائی کو اسلامی رنگ دے دے کر قبول کیا گیا۔ بجائے اس کے کہ وہ قرآن و سنت کو ہاتھ میں لیکر امت و رہنمائی کا ثبوت دیتے۔ دنیا والوں کو بتلانے کہ ائمہ کفر و ضلالت اور ارباب حکومت و اقتدار جن مسائل حیات کی تشریح اور سیاسی و تمدنی امور کی تجلیوں اور ناکامیوں میں گرفتار ہیں۔ ان کا صحیح حل، انسانیت کی فلاح اور دنیا کا حقیقی اور پائدار امن سوائے اسلام کے اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ اور اٹھائیسویں صدی کے کفر و ضلالت کے افکار و خیالات اور نظامائے باطلہ کو اسلامی رنگ دینا شروع کر دیا۔ اور کافروں کی امامت و پیشوائی میں تنظیم و ترقی اور حریت و مساوات کے حصول کی جنگ شروع کر دی۔ گویا ان کے نزدیک میرے سے اسلام اپنا کوئی سیاسی نظریہ اور اقتصادی پروگرام ہی نہیں رکھتا تھا۔ اور اگر تھا تو ناقابل عمل اور فرسودہ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمان سیاسی و اقتصادی طور پر مر گئے۔ انکی سیاسی زندگی پر کفار و مشرکین اور فساد و فحار چھا گئے۔

پچھلے زمانوں کے ارباب علم و فضل کو یونانی اور ویدانتی فلسفہ نے خراب اور منصب امامت سے محروم کیا۔ اور محمد حاضر کے علماء کو سائنس، مادہ، قوم اور وطن کے کافرانہ افکار و نظریات قرآن و حدیث کی طرف نہیں آنے دیتے۔ اہل علم مادی مکتب خیال کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔ نہ پہلے علماء زندگی کے مسائل و واقعات کو قرآن و سنت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ اور

نہ زمانہ حال کے علما و ایسا کر رہے ہیں۔ اصول و مسائل کی اسی کچ بنی، غلط اندیشی اور سطحیت نے مسلمانوں کو بہت سے فتنوں اور گمراہیوں میں مبتلا کر رکھا ہے۔ جہاں سیاسیات و اقتصادیات میں اسلام کے اصول و قوانین کی پیروی کی آواز بلند ہوئی اور ہمارے مذہبی و سیاسی پیشواؤں نے کافلوں پر ہاتھ رکھا۔ وہ اسلامی نظام کے نام سے ایسے گھبراتے ہیں گویا اسلام انکو کھاتے گا۔ یعنی وہ زندگی کی تمام راحتوں، آسائشوں، دلچسپیوں اور سہولتوں سے محروم ہو جائیں گے۔ یہ سارا فساد و بگاڑ محض مذہبی پیشواؤں کے فساد و بگاڑ کی وجہ سے ہے۔ اگر وہ آج بھی اسلام کی صراط مستقیم پر آجائیں اور زندگی کے معاملات و مسائل کو کتاب و سنت کے نقطہ نگاہ سے دیکھنا اور حل کرنا شروع کر دیں تو ہماری بن سکتی ہے۔

یقین کیجئے کہ اگر قرآن و حدیث اپنی غیر محرف صورت میں ہمارے پاس موجود نہ ہوتے تو ہم جیسے عامیوں کے لئے اسلام کے اصول و مقاصد اور معارف و حقائق کا سمجھنا ہی ناممکن تھا۔ اگر مسلمانوں میں قرونِ ثلاثہ کے بعد امام غزالیؒ، ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، شاہ ولی اللہؒ، شیخ احمد سرہندیؒ، سید احمد بریلویؒ، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ وغیرہ جیسے اکابر و محقق پیدا نہ ہوتے تو شاید پڑھے لکھے مسلمان عجبی تخیلات، ویداتی معمول جلیوں اور مغربی افکار و نظریات سے شاید ہی نکل پاتے۔ ان اللہ کے مجاہد بندوں کے قرآنی بصیرت، اسلامی فہم اور دین کے مقاصد و کلیات کو آجا کر کیا۔ اپنے اپنے زمانوں کے فتنوں اور گمراہیوں کا قلع قمع کیا۔ اسلام کو غیر اسلام سے ممتاز و ممتاز کیا۔ حق و باطل کو گڈ بٹھونے سے بچایا۔ اور ہم مسلمانوں کے لئے اسلام کی ہر چیز کو سمجھنا آسان کر دیا۔ اگر یہ اللہ کے نیک نہاد بندے دین حق کی حمایت و شاعت کے لئے نہ لڑتے تو ہم

سب کے سب مسلمان الحاد، ذنبدیقیت، بد اخلاقی، بے یقینی اور بے دینی کے سیلاب میں کبھی کے بہہ گئے ہوتے۔ انہوں نے اسلام کی جامعیت کو باقی رکھا اور عام علماء نے اس کو توڑا۔

دین کی دنیا سے علیحدگی اور علمائے اسلام

عز و جاہ اور دولت و اقتدار کے پجاری انسانوں نے جب یہ دیکھا کہ اگر عوام پر مذہبی پیشواؤں کا اثر و اقتدار قائم رہا اور دین و اخلاق کی پابندی کے وعظ ہوتے رہے تو ہماری دال نہیں گلے گی۔ ایسے لوگوں نے اپنی نفس پرستی و آرام طلبی کے لئے دین کو دنیا سے الگ کر کے اپنا راستہ صاف کر لیا۔ اور تمام مادی اسباب و وسائل اور قوت و اقتدار حاصل کر کے دنیا سے مذہب و اخلاق کے اثرات کو مٹا دیا۔ یہ تباہی و گمراہی سرزمینِ یورپ سے اٹھی تھی۔ اس لئے کہ وہاں کلیسا کا حد سے بڑھا ہوا اقتدار ہر قسم کی سیاسی و تمدنی ترقی کو روک کے ہوئے تھا۔ مسیحیت کے علمبرداروں کے سامنے ان کا مذہب زندگی کا کوئی معقول و پسندیدہ اصول و نظام پیش نہ کر سکا تھا۔ صرف جنتی زندگی کے بھلاؤں میں مبتلا رکھنا چاہتا تھا۔ اس سے تنگ آکر ترقی پسند اور روشن دماغ انسانوں نے سرے سے مذہب و اخلاق کی اجتماعی حیثیت اور ضرورت و اہمیت ہی سے انکار کر دیا۔ مسیحی تو دین کو دنیا سے الگ کر کے پر مجبور تھے۔ مگر یہ مسلمان علماء و فضلا کو کیا ہوا تھا کہ وہ بھی اسی راستہ پر ہو گئے۔

بات اصل میں یہ ہوئی کہ جب مسلمان امرا و سرور جہاد، علماء سے روحِ اجتہاد اور عوام سے اطاعت الٰہی کا جذبہ نکل گیا۔ اور نفس پرستی، آرام طلبی اور عیاشی کے براہِ نین میں پھنس گئے تو وہ مادی و ذہنی طور پر کمزور و ناتواں ہو گئے۔ وہ

سیاسی و اقتصادی حیثیت - کمزور و غلام ہوتے چلے گئے۔ اور اسی مناسبت سے اقوام یورپ کا مادی و ذہنی اقتدار بڑھتا چلا گیا۔ مذہبی و سیاسی رہنماؤں میں نہ اسلامی بصیرت و ذہنیت رہی۔ نہ مومنانہ اوصاف و خصائص نہ مسلمانہ سیرت و کردار اور نہ مجاہدانہ عزم و ہمت۔ چاروں طرف سے انکو کمزوری نے آگھیرا۔ ماحول کے اثرات ان پر غالب آتے چلے گئے۔ طاغوتی طاقتوں کا ہول طاری ہونا گیا۔ اور انہوں نے اسی میں اپنی نجات و بہتری سمجھی کہ چھائی ہوئی غیر اسلامی حکومتوں اور رائج الوقت باطل نظاموں کے ماتحت عافیت پسندانہ زندگی بسر کریں۔ ماحول سے لڑنا، زمانہ کو بدلنا اور اسلام کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے غالب کرنا مدہی آواز ان پر چھوڑ دیں۔ اس بزدلی، کم ہمتی اور دونوں طبعی کے ساتھ وہ مسلمانوں میں اپنا اثر و اقتدار بھی قائم رکھنا چاہتے تھے۔ اس کی صورت یہی ہو سکتی تھی کہ دین کو دنیا سے الگ کر کے زندگی کے مزے لوٹیں۔ بہاد، قربانی، ایثار اور شہادت کی فوٹ ہی نہ آئے لہذا بجائے اس کے کہ وہ اسلام کو ایک نظام حیات کی حیثیت سے سمجھتے اور دین حق کو ادیان باطلہ کے مقابلہ میں غالب کرنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دیتے اور جہاد فی سبیل اللہ سے کفر و شرک کا غلبہ توڑ دیتے۔ انہوں نے یہ کیا کہ وہ تمام مومنانہ اوصاف و خصائص جو قرآن و حدیث نے انکے سامنے رکھے تھے۔ اور وہ تمام امور زندگی جو ایک زندہ و بیدار اور آزاد ملت کا طغرائے امتیاز ہیں۔ سیاست کا نام دیکر اپنے فرائض منصبی سے خارج کر دیا۔ اور بقیہ چند عقائد و اعمال کو دین و مذہب کے نام پر اعتکاف کے گوشوں، خانقاہوں، تکلیوں، مدرسوں، مسجدوں اور قوالی کی محفلوں میں مقفل کر دیا۔ اللہ کے نام کو بلند کرنے اور دین حق کو غالب کرنے کا جو فریضہ ان پر عائد ہوتا تھا اس کا تصور و اعتقاد تک دل سے نکل گیا بغیر اتنی

نظاموں کے ماتحت امن پسندانہ اور غلامانہ زندگی پر قناعت کر لی۔ ان کو یہ یاد ہی نہ رہا اسلام اپنا انقلابی پروگرام بھی رکھتا ہے۔ اور وہ دنیا سے تمام ظالمانہ و مفسدانہ نظامات کو مٹا کر اپنا عادلانہ و مصلحانہ پروگرام نافذ کرنا چاہتا ہے۔ یہی مسلمانوں کا اجتماعی فریضہ ہے۔ اور اسی کی دعوت دینا علماء کا کامنصب ہے۔ دین سے دنیا اور مذہب کو سیاست سے علیحدہ کرنے کا لازمی نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ مسلمان اپنا اجتماعی فریضہ اور مقصد حیات بھول جائیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ مسلمانوں کی سیاسی و تمدنی زندگی پر بڑی آسانی کے ساتھ بغیر کسی مزاحمت کے کفار و مشرکین اور فساق و فجار نے قبضہ کر لیا۔ اور اب ترقی پسند بڑے لکھے مسلمانوں نے زندگی کے معاملات و مسائل کو گمراہ و مادہ پرست قوموں کے نقطہ نگاہ سے دیکھنا اور انہی کے دماغوں سے سوچنا شروع کر دیا۔ دنیا کی گمراہ قومیں اپنی تنظیم و ترقی کے لئے جو طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں وہی طریقے مسلمانوں نے بھی اختیار کر لئے۔

جدت پسندوں اور قدامت پسندوں دونوں قسم کے علماء کی قیادت و رہنمائی کا دار و مدار اس بات پر آ رہا کہ ماحول کیسا ہے۔ دوسری قومیں کیا کر رہی ہیں؟ اور دنیا کیا کہتی ہے؟ انہیں اس سے کوئی سروکار نہ رہا۔ کہ اسلام کیا کہتا ہے؟ قرآن کی کیا دعوت ہے؟ ایمان کے مقتضیات کیا ہیں؟ رسول اللہ کا کیا ارشاد ہے؟ صحابہ کا طرز عمل کیا کہتا ہے؟ اور مسلمانوں کے مسلمان ہونے کے کیا معنی ہیں؟

(باقی اگلے صفحہ)

۷۸۶

باب الاستفسارات

ایک اہم سوال و اس کا واضح جواب

(از مولانا محمد رمضان صاحب شوق قصور)

اہل تشیع بارہ اماموں کے قائل ہیں جو کہ اہلسنت والجماعت کے نزدیک بھی درست ہیں۔ باوجود اس کے ہم امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد بن کر حنفی المذہب کہلاتے ہیں۔ تو ائمہ اہلبیت کی پیروی کیوں نہ کی گئی۔ اور یہ دوسرے ائمہ مجتہدین کیسے امام بنے؟

جواب | اس میں شک نہیں کہ اہلبیت اور اقارب بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و تعظیم اور حقوق شناسی امت پر لازم و واجب اور جزو ایمان ہے۔ اور ان سے درجہ بدرجہ محبت رکھنا حقیقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر متفرع ہے۔ لہذا احکام شرعیہ میں تسلیم کے لئے کسی مجتہد یا امام کے اجتہادی مسائل کے عدو نہ مجموعہ کی ضرورت ہے۔ اور اسی چیز کا نام تقلید ہے۔ جو صرف فروعات میں ہوتی ہے۔ ورنہ قرآن اور حدیث تو پہلے ہی موجود تھے۔ ان ائمہ اہلبیت میں سے کسی کا اجتہاد یا احکام شرعیہ کا مرتب مجموعہ ثابت اور موجود نہیں۔ جسکی تقلید کیا جاتی۔ لہذا مجتہدین صحابہ رحمہ کے اجتہادی مسائل جو بواسطہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ ہم تک پہنچے ضرورت زمانہ کے مطابق ہمیں ان کو اختیار کرنا پڑا۔ اور امام موصوف کے نام سے یہ مسائل مشہور ہو گئے۔ اور ائمہ اہلبیت رضی اللہ عنہم اجماعین اولیائوں کے امام بن کر رہ گئے۔ اس طرح یہ سلسلہ مسائل فقہ ہم تک پہنچا۔ مختصر طور پر فقہ کی تاریخ لکھتا ہوں۔

جس سے پوری حقیقت واضح اور مشکوک رفع ہو جائیں گے۔ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں احکام کی تعمین پیدا نہیں ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے سامنے وضو فرماتے تھے اور کچھ نہ بتاتے کہ یہ رکن ہے اور یہ واجب ہے اور یہ مستحب ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھ کر ویسے ہی وضو کرتے تھے۔ جیسا کہ دیکھتے تھے۔ یہی حال نماز و دیگر اعمال کا تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے دیکھا خود بھی ویسے ہی پڑھ لی۔ فرض و واجب وغیرہ کی تفصیل و تدقیق نہیں کیا کرتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال پر پللال کے بعد فتوحات کو نہایت وسعت ہوئی اور تمدن کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ واقعات اس کثرت سے پیش آئے کہ اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑی۔ اور اجمالی احکام کی تفصیل کی جانب متوجہ ہونا پڑا۔ مثلاً کسی نے غلطی سے نماز میں کوئی عمل ترک کر دیا۔ اب بحث یہ پیش آئی کہ نماز ہوئی یا نہیں۔ اس بحث کے پیدا ہونے

احکام و مسائل کی ترویج ہوئی۔ اس تعلق سے کوفہ فقہ کا دارالعلوم بن گیا۔ جس طرح کہ حضرت عمر و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے تعلق سے حرمین شریفین کو دارالعلوم کا لقب ملا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے تعلق سے کوفہ فقہ و دونوں میں کامل تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جعفر غوث اور جلوت میں ہمد و ہمزاز رہے بہت کم لوگ رہے ہونگے۔ قرآن مجید میں کوئی آیت ایسی نہیں کہ جس کے متعلق یہ نہ جانتے ہوں کہ کس باب میں نازل ہوئی ہے۔ ان کا اپنا قول ہے کہ اگر کوئی شخص مجھ سے زیادہ قرآن مجید کا عالم ہوتا تو میں اس کے پاس سفر کر کے جاتا۔ صحابہ کرام میں سے کوئی شخص حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس دعویٰ کا منکر نہیں تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر۔ مسواک۔ غلیں مبارک۔ اور وضو کا برتن اٹھاتے تھے۔ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔ **وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَأَهْمَا أَتَقُلُّ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حَبْلِ أَحَدٍ**۔ یعنی قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے ان دونوں باپ میا کے لئے میزان میں قیامت کے دن، حبل احد سے بھی بھاری ہوں گے۔ اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام عادت شریف تھی کہ رات کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں قرآن مجید سنتے تھے اور فرماتے جو چاہے کہ قرآن مجید کو اس طرح پڑھے جیسے نازل ہوا تو فلیقرأ علی قرأت عبد اللہ بن مسعود یعنی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت کے مطابق پڑھے۔ موصوف پہلے کاتب وحی ہیں۔

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عیادت کے لئے گئے۔ پوچھا کیا شکایت ہے جواب دیا گئی ہوں کی۔ پھر پوچھا کس چیز کی خواہش ہے۔ جواب دیا

کے ساتھ یہ تو ممکن نہ تھا کہ نماز میں جتنے اعمال تھے سب کو فرض کہہ دیا جاتا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو تفریق کرتی کہ نماز میں کتنے ارکان فرض یا واجب ہیں کتنے مسنون اور مستحب ہیں۔ اس تفریق کے لئے اصول قرار دیئے گئے۔ اکثر مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مختلف رائیں قائم ہوئیں۔ بہت سے ایسے واقعات پیش آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محمد مبارک میں ان کا عین۔ و اثر نہیں پایا گیا۔ صحابہ کرام ان میں سے آئمہ صورتوں میں استنباط۔ تفریع۔ حمل التعلیل علی النظر۔ قیاس۔ وغیرہ سے کام لیتا پڑا۔ غرض صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں ہی احکام اور مسائل کا دفتر بن گیا۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے استنباط و اجتہاد سے کام لیا اور مجتہد یا فقیہ کہلائے ان کے تین طبقے ہو گئے۔ طبقہ اولیٰ۔ کثرین۔ یعنی وہ صحابہ جن سے بکثرت فقہی مسائل منقول ہیں۔ طبقہ ثانی۔ یقلین۔ یعنی وہ صحابہ جن سے بہت کم مسائل مروی ہیں۔ طبقہ ثالث۔ متوسطین۔ یعنی وہ صحابہ جو ان دونوں طبقوں کے بین بین ہیں۔

پہلے طبقے میں صرف سات بزرگ ہیں۔ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت زید بن ثابتؓ۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اجماعین۔ علامہ ابن حزم نے لکھا ہے کہ اگر ان بزرگوں کے فتاویٰ جمع کئے جائیں تو ضخیم جلدیں تیار ہو سکتی ہیں۔

ان سات بزرگوں سے پھر چار نہایت ممتاز ہیں۔ اور موجودہ فقہ کی بنیاد یہی چار بزرگ ہیں۔ یعنی حضرت عمرؓ حضرت علیؓ رضی اللہ عنہما۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رضی اللہ عنہما اجماعین۔ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما زیادہ ترکوفہ میں رہے۔ اور وہیں ان کے

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی طلب ہے۔ پھر کہا اگر حکم کریں تو طیب کو لے آؤں۔ جواب فرمایا طیب نے ہی تو مجھے بیمار کیا ہے۔ پھر کہا بقدر حاجت کچھ عطیہ لے آؤں جواب فرمایا کچھ حاجت نہیں۔ پھر کہا کہ آپ کی بیٹیوں کے کام آئیگا۔ جواب فرمایا اور خوب فرمایا کہ مجھے اپنی بیٹیوں کی احتیاج کا خوف تھا تو میں نے انکو ہرات سورہ واقعہ پڑھنے کی تلقین کی ہے۔ کیونکہ میں نے حضور بنی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سنا ہے کہ مَنْ قَرَأَ سُورَةَ الْوَاقِعَةِ فِي كُلِّ لَيْلَةٍ لَمْ تُصِبْهُ فَاَقَةٌ اَبَدًا۔ جو شخص ہرات سورہ واقعہ پڑھے اُسے کبھی بھی فاقہ نہیں آئیگا۔ سبحان اللہ کتنے کامل ایمان والے تھے وہ حضرات۔ خداوند کریم ہمیں بھی ان کے صدقہ سے عمل میں اخلاص اور توکل میں کامل فرمائے۔ آپ کی دعاؤں میں سے ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ اِيْمَانًا لَا يَزِيدُنِيْ وَنِعْمًا لَا يَنْقُصُنِيْ وَفِرَةً عَلَيْنِ لَا تَنْقُصُ وَمِرَاقَةً نَّبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَعْلٰی جَنَاتِ الْجَنَّةِ اسی اللہ میں تجھ سے ایسے ایمان کامل کا جس کے بعد ارتداد نہ ہو اور نہ ختم ہو نیوالی نعمتوں کا اور نہ دور ہو نیوالی آنکھوں کی ٹھنڈک کا اور جنت الفردوس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا سوال کرتا ہوں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی باقاعدہ طور پر کوفہ میں حدیث اور فقہ کا درس دیا کرتے تھے۔ اور ان کی دہیں گاہ میں بہت سے تلامذہ کا مجمع رہتا تھا۔ ان کے تلامذہ احکام و فتاویٰ کو لکھ بیا کرتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن قیمؒ نے اعلام الموقعین میں لکھا ہے لَمْ يَكُنْ أَحَدٌ لِّاصْحَابِ مَعْرِفِ حِرِّ رَوَافِقِيَّاهُ وَمِنْ أَهْبَاءِ فِي الْفَقْهِ خَيْرًا مِنْ مَسْعُودٍ یعنی ابن مسعود رضی کے سوا کسی صحابی کے تلامذہ نے انکے فتاویٰ اور مذاہب فقہ کو نہیں لکھا۔ ان کے تلامذہ میں حضرت علقمہؒ نہایت نامور ہوئے ہیں۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں پیدا ہوئے۔ اور حضرت عمر

عثمان۔ علی۔ عائشہ۔ سعد۔ حذیفہ۔ خالد بن ولید۔ جناب رضی اللہ عنہم اجمعین اور دیگر بہت سے صحابہ سے احادیث کی روایت کی ہے۔ خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود رضی کی صحبت میں التزام سے رہے۔ اور ان کے طور و طریقہ پر اسقدر قدم قدم چلے کہ لوگوں کا قول تھا۔ جس نے علقمہؒ کو دیکھ لیا اُس نے عبداللہ بن مسعود کو دیکھ لیا۔ اس سے بڑھکر اور کیا ہوگا کہ صحابہ کرامؓ سے مسائل دریافت کرنے کے لئے آتے تھے۔ حضرت موصوف کے انتقال کے بعد حضرت علقمہؒ جانشین ہوئے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے نامور شاگرد حضرت ابراہیم نخعیؒ مسند نشین فقہ ہوئے۔ اور انہوں نے فقہ کو اسقدر ترقی دی کہ ان کے بعد میں فقہ کا مختصر مجموعہ تیار ہو گیا۔ جس کے سب سے بڑے حافظ آپ کے شاگرد حضرت حمادؒ تھے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان ہی سے تعلیم حاصل کی۔ اس لئے فقہ حنفی کی بنیاد صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضی کے اجتہادی احکام و فتاویٰ پر قائم ہوئی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ البیاضؒ میں تحریر فرماتے ہیں کان ابو حنیفۃ رضی اللہ عنہ الزمہم بمنزہ ابراہیم و اقارنہ لا یجوزک الا ما شاء اللہ یعنی امام ابو حنیفہؒ ابراہیمؒ (نخعیؒ) اور ان کے اقران کے مذہب کے سخت متبع تھے۔ اور اُس سے بہت کم ہٹتے تھے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو یکے بعد دیگرے پانچویں نمبر پر امامہ حضرت حماد رضی اللہ عنہ کے انتقال کے بعد مسند فقہ پر ان کا جانشین بنایا گیا۔ اور آپ نے فقہ کو معالج ترقی کی انتہا تک پہنچا دیا۔ امام شافعی رضی کا قول ہے کہ النَّاسُ عِیَالٌ عَلٰی اَبِی حَنِیْفَہٖ فِی الْفَقْہِ کہ لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہؒ کے عیال ہیں دہروردہ ہیں اب واضح ہو گیا ہے کہ فقہ حنفی پر عمل کرنا اور امام ابو حنیفہؒ نعمان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی تقلید عین نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد ما انا علیہ و اصحابی پر عمل کرنا ہے۔ آئندہ انشاء اللہ حضرت امام علیہ الرحمۃ

اسلام ایک مذہب یا دین؟

(اداس)

قوموں کی تقلید و پیروی کئے چلے جا رہے ہیں۔ غیروں کے افکار و نظریات، غیروں کے فلسفے اور غیروں کے طریقوں پر آنکھ بند کر کے چل پڑتے ہیں۔ کسی نظریہ، کسی اصول، کسی نظام، کسی تحریک اور کسی سیاسی و اقتصادی مسئلہ کو اسلامی نقطہ نظر سے جانچنے پر کھنٹے اور غنا صفا دعوے کا کدوڑے کے اصول پر عمل کرنے کی ہمارے رہنماؤں میں صلاحیت ہی نہیں رہی۔ وہ صحیح تنقید و احتساب اور ترک و قبول کا مادہ اور سلیقہ ہی نہیں رکھتے۔ ان کے دل و دماغ غیر اسلامی افکار و نظریات کے سانچوں میں ڈھل چکے ہیں۔ اور اب ان سانچوں کا ٹوٹنا ناممکن نظر آ رہا ہے۔

مغرب گزیدہ ارباب فکر و قیادت کا طیرہ

آج کل ہمارے شکست خوردہ، مرعوب اور متجدد نواز علماء ارباب علم و ادب اور مغرب گزیدہ صاحبان اقتدار کا یہ فیشن اور طیرہ ہو گیا ہے کہ وہ اسلام کے نام پر اپنی لیڈریاں قائم کرتے، دکانیں چمکاتے اور ذاتی اغراض و مفاد حاصل کرتے ہیں۔ مگر نہ اسلام کا فہم و شعور رکھتے ہیں اور نہ سیرت و کردار۔ یہ نہ اسلام کو سمجھتے ہیں اور نہ اسکی کسی ادنیٰ سی بات پر عمل کرتے ہیں۔ اسلام کے علم و عمل کو اپنے نزدیک نہیں آنے دیتے۔ گراس کا نام لے لے کر ممبریاں، عہدے، وزارتیں اور حکومتیں قائم کر لینے کا ڈھونگ خوب جانتے ہیں۔ یہ اسلام کے تاجر اسلام کے فہم و عمل کی راہ میں پہاڑ بن کر حائل

اگر ہم مسلمانوں کی سیاسی کمزوریوں، اقتصادی بد حالیوں اور اخلاقی گندگیوں کے اسباب و علل کا کھوج لگائیں اور انکا تجزیہ کریں تو صرف ایک ہی ایسی خامی، کمزوری، کوتاہی اور بد بختی نظر آتی ہے جس نے تمام کمزوریوں، خرابیوں اور گمراہیوں کو جنم دے رکھا ہے۔ وہ یہ کہ ہمارے تمام سیاسی لیڈروں اور مذہبی رہنماؤں کے ذہنوں میں اسلام کا صحیح اور کامل تصور موجود نہیں رہا۔ وہ کتاب و سنت کی ہدایت و رہنمائی کو پس پشت ڈالے ہوئے ہیں۔ اسلام کے تصور حیات اور اجتماعی فریضہ سے تغافل برت رہے ہیں، وحی الہی کی روشنی میں اپنی زوال و انحطاط کا جائزہ نہیں لیتے، اپنے افکار و اعمال کا احتساب نہیں کرتے اور اپنے دل و دماغ کو اسلام کے حوالہ نہیں کرتے۔

یہی وہ کوتاہی ہے جو تمام خامیوں اور خرابیوں کی بڑ ہے۔ اور یہی وہ نقص ہے جو ہمارے جذبات و مسامحہ، غور و فکر اور جدوجہد کے ہمیں بجائے آگے بڑھنے کے پیچھے دھکیل رہا ہے۔ نہ معلوم ہمارے سیاسی لیڈروں اور مذہبی پیشواؤں کے ذہنوں میں اسلام کا کیا تصور ہے۔ وہ اسلام کو کیا سمجھتے ہیں اور اسلام کی طرف کیوں نہیں آتے مزید ستم یہ کہ ہم زمانہ شناس بھی نہیں۔ ہم ہوا رخ نہیں پیچا ہم یہ نہیں سمجھ پاتے کہ دنیا کس رخ پر جا رہی ہے۔ جدھر وہ جا رہی ہے وہ تنہا ہی و بربادی کا راستہ ہے یا عروج و ترقی کی راہ ہے۔ ہمارے رہنما اندھا دھند دنیا کی گمراہ وادہ پرست

ہو گئے ہیں۔ یہ خود اسلام کی طرف آتے ہیں۔ اور نہ دوسروں کو آتے دیتے ہیں۔

یہ مسلمانوں کو بھلانے بھلانے اور اپنا مطلب نکالنے کے لئے اسلام کا دم بھرتے ہیں۔ اسلام کو عالم گیر مذہب ثابت کرنے اور اس کی صداقت کو چمکانے کے لئے ہر غیر اسلامی نظریہ اور اصطلاح کو اسلام پر منطبق کرنے کی ناکام کوشش میں لگ جاتے ہیں۔ اور جس فتنہ و مگرچی کو زبردست پروپیگنڈہ نے قبول عام کی سند دیدی ہو اور جس کی بازار سیاست میں شہرت و وقعت ہو اسی کو اسلام کا نام لیکر مسلمانوں کے دماغوں میں گھسیڑ دیتے ہیں۔ اگر کہیں جہتوت کا غوغا ہو تو ہمارے ارباب فکر و دانش اور حکمران طبقہ اسی کی طرح دستاویز میں داد سخن گتری دینی شروع کر دیتے ہیں اور اسلامی و مغربی جمہوریت میں فرق و امتیاز کٹے بغیر نعرہ لگانے لگتے ہیں۔ کہ اسلام ایک جمہوری مذہب ہے۔ جب موجودہ ”ڈیموکریسی“ کا ٹاٹ اٹلنے لگتا ہے تو ”ڈکٹیٹر شپ“ کی طرف مائل ہو کر اسلام میں ڈکٹیٹر شپ ثابت کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ اور جمہوریت میں کیڑے ڈالنے لگتے ہیں۔ حالانکہ اسلام موجودہ اصطلاح کے ماتحت نہ جمہوریت ہی اور نہ ڈکٹیٹر شپ۔

جب کانگریس نے متحدہ قومیت کا راگ الاپا تو ہمارے بڑے اُس سر سے اپنا سر ملانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اسکو اسلام سے ثابت کرنے کے لئے دلائل و براہین کا ڈھیر لگا دیا۔ جنہوں نے متحدہ قومیت کی تباہی و فتنہ سازانوں کو تاپ دیا انہوں نے قومی جمہوریت اور واحد نما بندگی کو قرآن و حدیث سے نکال کر دکھا دیا۔ حالانکہ اسلام کو نہ متحدہ قومیت سے کوئی سروکار تھا اور نہ قومی جمہوریت سے واسطہ اسلام و ملتیت کو بھی مٹانا چاہتا ہے اور قومیت کو بھی۔ اس لئے

کہ ان دونوں نے انسانیت کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں۔ اور دنیا میں ظلم و فساد کی آگ لگا رکھی ہے۔

اسی طرح آج دنیا میں روس کی اشتراکیت کا سکہ بھی رواں ہے۔ اور اس کا ساری دنیا میں پروپیگنڈا ہو رہا ہے۔ تو ہم میں بہت سے ایسے حاکم، لیڈر، اخبار نویس، ادیب اہل قلم اور علما ہیں جو اسکی شہرت اور آن بان سے مرغوب و متاثر ہو کر اسلکے اقتصادی نظام کو بھی سوشلزم پر منطبق کرنے پر اُدھا رکھائے بیٹھے ہیں۔ اور بڑے زور کے ساتھ ”اسلامی سوشلزم“ یعنی ”اسلامی کفر“ کا پرچار کر رہے ہیں۔

اسلام نا آشنا علما و علماء اور انکی تباہ کن روش

ہم کسی کی نیت پر حملہ نہیں کر رہے۔ بلکہ اس حقیقت کا اظہار کر رہے ہیں کہ یہ اختلاف اور صورت حال محض اس لئے ہے کہ ان حضرات نے اسلام کو ایک مکمل نظام حیات کی حیثیت سے قرآن و حدیث کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کو رائیں کی۔ اور اسلام کی حمایت کے لئے پہلے ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ ممکن ہے کہ وہ یہ سب باتیں نیک نیتی سے سمجھتے اور کہتے ہوں اور وہ اسلام کی محبت و ہمدردی میں یہ ثابت کرنا چاہتے ہوں کہ اسلام ایک عالمگیر انسانیت نواز اور ترقی پذیر مذہب ہے۔ بلکہ صرف یہ ہے کہ ان کی اسلام سے یہ محبت و ہمدردی علی وجہ البصیرت نہیں بلکہ رسمی، سطحی، نسلی اور محض سخی سنائی باتوں پر مبنی ہے۔ اور ان کا یہ طرز عمل اسلام کے لئے حد درجہ نقصان رساں ہے۔ ان کی اس خجیرانہ اور مخلصانہ روش سے اپنوں اور بیگانوں کو یہ سمجھنے اور کہنے کا موقع مل رہا ہے کہ دراصل اسلام کوئی نظریہ حیات ہی نہیں۔ وہ سرے سے اپنے پیروؤں کو کوئی سیاسی نظریہ اور اقتصادی پروگرام دیتا ہی نہیں۔ جیسی تو اس کے نام لیوا اور

کریں اور جس کو چاہیں اپنا حاکم، مالک، قانون ساز اور خدا بنالیں۔

اگر اسلام ان معنوں میں ایک مذہب ہے اور اس کا تعلق سیاست سے کوئی تعلق واسطہ نہ ہونا چاہئے تو پھر مہارے حکومت پرست، قوم پرست اور شجہ و نواز علماء و زعماء بالکل آزاد ہیں۔ جس کا جی چاہے دین جمہوریت پر ایمان لائے۔ جس کا جی چاہے دین اشتراکیت کا علمبردار بنے اور جو چاہے دین نفسانیت پر عمل پیرا ہو۔ پھر اگر ہماری سیاست، ہماری معیشت ہماری اجتماعیت اور ہماری حکومت دین و اخلاق سے الگ تھلگ رہے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

لیکن اگر اسلام ایک دین ہے | وہ ایک مکمل نظام حیات اور پوری زندگی کا دستور

اعمال ہے۔ اُس میں دین و دنیا دو الگ الگ چیزیں نہیں، مذہب و سیاست کی تفریق نہیں، وہ مادی آسائش اور روحانی تسکین دونوں چیزوں کا سامان رشد و ہدایت رکھتا ہے اور ضم و روح دونوں کو غذائے صالحہ ہم پونچھنا اور تقویت دیتا ہے۔ اور اسکی بنیاد و اساس ان حقائق و عقائد پر قائم ہے کہ خدائے واحد اور معبود حقیقی ہی انسانوں کا خالق، مالک، رب، حاکم، آمر اور ہادی ہے۔ نبی آخر الزمان صلعم ہی ہر ملک، ہر زمانہ اور ہر ماحول کے لئے صحیح رہنما اور قطعی اسوۂ حسنہ ہیں۔ آپ ہی کی تقلید و پیروی پر دین و دنیا کی تمام تر قیوں، کامیابیوں اور شاد کامیوں کا انحصار ہے۔ انسانوں کے لئے نفع و نقصان اخذ و ترک، حق و باطل اور خیر و شر میں تمیز کرنے کا واحد ذریعہ صرف کتاب و سنت ہے اور یہ کہ قیامت کے روز بنی نوع انسان کے اعمال کی جزا و سزا کا فیصلہ ہونا قطعی و یقینی ہے۔ تو پھر ہمارے ارباب صن و عقد، اہل فکر و راستے اور برسر اقتدار طبقوں نے یہ کیا ڈھونگ رچا رکھا ہے کہ کلمہ تو

علمبردار اس اختلاف اور کھینچا تانی میں مبتلا ہیں۔ کبھی کبھی کہتے ہیں اور کبھی کبھی۔ ہر مفکر و ادیب اپنی پسند و نظر کے مطابق اسلام کو سیاسی و اقتصادی لباس پہنا رہے۔ اسے ہر قد و قامت پر راست کرنے پر زور لگا رہا ہے۔ یہ اسلام ہے یا رٹہ۔ یہ مسلمان ہیں کہ بھیک منگے ادھر ادھر سے افکار و نظریات کی بھیک مانگ لاتے ہیں۔ اور پھر انکو اسلام کے گلے مڑھ دیتے ہیں۔ نیز یہ کہ اسلام ایک ایسا مجموعہ مبہم و مشکل اور لائیکل دستور ہے جس کی تشریح میں جو جس کا جی چاہے کہہ سکتا اور اُسی کو اسلام سمجھ سکتا ہے۔ اسکو کہتے ہیں یہ ”ہم تو ڈوبے تھے صنم تم کو بھی لے ڈوبینگے“

ہمارے نیک نیت و مخلص علماء و زعماء غیر اسلامی افکار و نظریات میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ مگر اسلام کو بھی لے ڈوبنا چاہتے ہیں۔

اگر اسلام ایک مذہب ہے | یعنی اسلام بھی دیگر مذہب کی طرح ایک

مذہب ہے۔ مذہب سے مراد چند مخصوص عقائد، عبادات، معاملات اور رسوم ہوتے ہیں۔ ان چیزوں کے مجموعہ کو مذہب کہا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ مذہب کو سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ مذہب اپنے مخصوص عقائد و عبادات دیکر اور خدا کی عبادت و پرستش کرانے کے بعد اپنے پیروؤں کو آزاد چھوڑ دیتا ہے۔ کہ وہ دنیا میں جس طرح چاہیں رہیں۔ کوئی ایک شخص یا چند لوگ اپنی پسند و مرضی کے مطابق اپنی سیاسی و تمدنی زندگی کے لئے کوئی قانون و آئین اور نظام بنالیں۔ یاد دوسروں سے مانگ لیں۔ اور جو ان کا جی چاہے کرتے پھریں۔ بس مخصوص اوقات میں اور مختلف طریقوں سے خدا کو یاد کریں۔ اس کے بعد انکو چھٹی ہے جس کی چاہیں عبادت کریں۔ جسکو چاہیں مانیں، جسکی چاہیں غلامی

امن و راحت کے ہلاکت و بربادی کی طرف جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے علم، عقل اور تجربہ کے بحر وسہ پر یہ سب کچھ کرتے ہیں۔ اور ان کی یہ چیزیں بے عیب، بے نقص اور کامل نہیں ہوتیں خواہ وہ اپنے علم و عقل اور خدمت انسانیت کی کتنی ڈنگیں کیوں نہ ماریں۔ ان کی حیثیت بوجھ بھگڑ سے زیادہ کچھ نہیں ہو سکتی۔

آج دنیا کے انسان انسانوں ہی کے ہاتھوں ذلیل و خوار اور تباہ و برباد ہو رہے ہیں۔ اور اس وقت تک ہوتے رہیں گے جب تک وہ کتاب و سنت کو اپنا رہنما نہیں بنائیں گے۔ (دعا) اتنی سے آزاد عقل انسانی ہی نے دنیا میں ظلم و فساد کی آگ بھڑکا رکھی ہے۔ کیونکہ خدا کے باغی طاقتور، بدکار اور نااہل انسانوں نے اپنی عقل کو اپنے ناپاک ارادوں اور ذلیل و ناجائز خواہشوں کا غلام بنا رکھا ہے۔ لہذا جو اہل علم مسلمان کمال دین نفسانیت کی بنیاد پر مغربی جمہوریت اور روسی اشتراکیت کے ذریعہ اپنے سیاسی و معاشی مصائب کا علاج کرنا چاہتے ہیں۔ دراصل وہ مسلمانوں کو اسلام کی طرف نہیں بلکہ کفر کی طرف لیجانے کی ناکام سعی کر رہے ہیں۔

یاد رکھیے۔ آج دنیا میں جتنے بھی اقتصادی و معاشرتی اور سیاسی نظام چل رہے ہیں اور جن کی طرف تفریح زدہ کار اور ارباب اقتدار پک رہے ہیں ان سب کی بنیاد الحاد، انہی عقل، محروم و غلم، ناقص تجربہ اور بے روک خواہشات پر ہے۔ اس لئے ان کو اسلام میں سمونے کی کوشش بڑے ظلم و فساد کا پیش خمیہ ہے۔ مادی زندگی، قوم و وطن، امن و قانون اور علوم و فنون کی رٹ لگا نیا لوں کا اور روٹی و پیٹ کا سوال حل کر نیا لوں کا نہ کوئی دین و ایمان ہے، نہ کوئی اصول و معیار اور نہ کوئی بلند و پاکیزہ نصب العین۔ بس نری مادیت ہی مادیت ہے۔ یہی ظالم و ملعون مادیت ہے جس نے مذہب و اخلاق

اسلام کا پڑھتے ہیں۔ اور سر بسجود ہوتے ہیں بتان کلیسا کے سامنے۔ وہ دنیا کو یہ کیا تماشہ دکھا رہے ہیں کہ اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور سیاسی، معاشی، اجتماعی اور قومی مسائل کا حل تلاش کرتے ہیں دین جمہوریت یا دین اشتراکیت میں۔ یہ عجیب معاملہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کا رخ بجائے مکہ و مدینہ کی طرف پھرنے کے ماسکو نیویارک اور لندن کی طرف پھیر دینا چاہتے ہیں۔ جب وہ قومی مسائل کا حل تلاش کرتے وقت اسلام کے عطا کردہ معیار فکر کو بالائے طاق رکھ کر ملحدین کے افکار و نظریات کو اپنے لئے چرخ راہ بناتے ہیں۔ تو انکو کیا حق ہے کہ وہ مسلمان ہونے کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو، مسلمانوں کو اور ساری دنیا کو جہالت و فریب میں مبتلا کریں۔

مسلمان ہوتے ہوئے ہمیں کسی کی ضرورت نہیں

ہمارے سیاسی و مذہبی رہنماؤں کو اس روشن حقیقت کا علم ہو یا نہ ہو اور وہ اس پر ایمان لائیں یا نہ لائیں ہر حال اسلام کے ہوتے ہوئے کسی دوسرے نظام کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم اور قلع و سبود اور نسل انسانی کی نجات و دستگیری صرف اسی دین کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے جو خالق کائنات کا عطا کردہ دین ہے، سرتنا پا قانون قدرت پر مبنی ہے۔ وہ ہر قسم کے نقص، کمزوری، کوتاہی اور خامی سے پاک ہے۔ ہمارا مجبور حقیقی ہی انسانوں کا خالق ہے۔ وہی ہمارے نفع و نقصان کو خوب سمجھتا ہے۔ اور اسی کا تہدایا ہوا راستہ ہمارے لئے آسان اور مستقیم ہے۔

اس کے برخلاف انسان جو نظام، قانون اور ضابطہ بھی بناتے ہیں وہ خود غرضیوں، خامیوں، کمزوریوں اور غریبوں کی بڑھوت ہے۔ وہ بھلا راستہ بھی تجویز کریں وہ بجائے

سے انسانوں کو بیزار و متنفر کر کے انکو خونخوار بھیڑیا، جیسا گدھا، مکار لوٹری اور ذلیل کتا بنایا ہے۔

کفر یا اسلام ؟

اسلامی نقطہ نظر سے اس دنیا میں رہنے، زندگی بسر کرنے اور اپنی ذہنی و عملی قوتوں سے کام لینے کے دو ہی طریقے ہیں۔ کفر اور اسلام۔ کفر سے ایک خاص قسم کی ذہنیت خاص مزاج، خاص علم و عقل اور خاص سیرت و کردار پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلام سے ایک جداگانہ قسم کی ذہنیت علم و بصیرت اور سیرت و کردار پیدا ہوتی ہے۔ یہ دو علیحدہ علیحدہ طریق فکر و عمل اور طرز حیات ہیں۔ سوچنے سمجھنے

والے انسانوں میں سے کسی ایک طرز زندگی کو خوب اچھی طرح سوچ سمجھ کر اختیار کرنا چاہئے۔ انسانوں کے لئے صرف دو ہی راہیں کھلی ہیں۔ ایک خدا سے انکار و بغاوت اور انانیت و سرکشی کی راہ ہے۔ اور ایک خدا تعالیٰ کی کامل اطاعت و فرمانبرداری کی راہ ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کفر و اسلام کا ایک مغلوبہ تیار کر لیا جائے۔ کچھ باتیں کفر سے لے لی جائیں۔ کچھ باتیں اسلام سے اخذ کر لی جائیں۔ زندگی کے کچھ معاملات و مسائل کا قرآنہ طریقہ سے حل کئے جائیں۔ اور کچھ مسلمانہ انداز سے۔ یا تو پورا پورا اور کھلم کھلا کفر بنا جائے اور یا پورا پورا اسلام۔

ہم مسلمان صدیوں سے ایک ایسے تقصاد میں مبتلا ہیں کہ نہ پورے کا فرسبتے ہیں اور نہ پورے مسلمان۔ مخصوص عقائد و عبادات میں اسلام کی راہ پر چل رہے ہیں اور تمدن و سیاست میں کافرانہ طور و طریقے اختیار کئے ہوئے ہیں۔ غیر اسلامی نظاموں کے ماتحت رہتے۔ ہتے ہمارے دل و دماغ غیر اسلامی افکار و نظریات کے سانچوں میں ڈھل چکے ہیں۔ کفر و اسلام میں فرق و امتیاز کرنے کی ہم میں صلاحیت ہی نہیں رہی۔ ذہنوں میں نہ اسلام کا پورا اور صحیح تصور ہے۔

اور نہ کفر کا۔ یہ دو عملی اور تضاد ہمیں نہ اسلام کی طرف آنے دیتا ہے اور نہ خلوص دل کے ساتھ کفر کی چوکھٹ پر سر رکھنے کی اجازت دیتا ہے۔ ہم نے صدیاں اسی حالت میں گنوائی ہیں اور اب بھی اسی حالت میں گن رہنا چاہتے ہیں۔

لیکن اب وقت آگیا ہے کہ ہمارے سیاسی و مذہبی رہنما سر جوڑ کر بیٹھیں اور عصر حاضر کے تمام تقاضوں، ملی ضرورتوں، قومی مسائل، اسلامی نصب العین، دین کے اساسی تصورات و عقائد اور اخلاقی اقدار کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں کہ انہیں کفر پسند ہے یا اسلام۔ کوہنسی راہ اختیار نہ کرنا چاہئے ہیں۔ مسلمانوں کو کہہ دیجئے کہ ان کی صلاحیت و قابلیت اور ارادہ رکھتے ہیں کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا دستور حیات کامل و مکمل ہے۔ وہ انسان کے سیاسی و معاشی مسائل کا حل بہترین طریقہ سے کرتا ہے۔ اور اسکی ہدایت و رہنمائی اعتماد و وثوق کے قابل ہے تو پھر انہیں اپنی زندگی کے سالم واحدہ کو کلیتہً اسلام کی تحویل میں دیدینا چاہئے۔ اور سیاست و تمدن کی ہر گز کھولنے وقت کتاب و سنت سے مدد لینی چاہئے۔ اور دنیا والوں کو عملاً دکھا دینا چاہئے کہ جمہوریت و سرمایہ داری اور اشتراکیت کے دھوکہ و فریب میں آئے ہوئے انسانوں کو یہ دیکھ لو اسلام ہی ایک قابل عمل اور کامل و بہترین نظام حیات ہے۔ اور اس کے بغیر تمہیں انصاف، مساوات، امن، خوشی، راحت و اطمینان، آرام آزادی، ترقی اور کامیابی کبھی بھی نہیں مل سکتی۔

اور اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام ”آؤٹ آف دیم“ ہو چکا ہے، اسکی ہدایت و رہنمائی، اسکی جاذبیت و دلکشیت اور انقلابی و اصلاحی قوت کی عمر ختم ہو چکی ہے، وہ تو صرف عرب کے بدوں کے لئے تھا، اب اس روشنی کے زمانہ اور مشینی دور میں اسلام کا نظام رائج نہیں ہو سکتا، اور وہ محمد ماضی

حفاظت، کسی خوف، کسی لالچ، کسی فریب اور کسی دھوکے سے ہرگز ہرگز نہیں دب سکتا۔

اگر ہمارے اکابر اپنی غیر، اسلام کی برتری، مسلمانوں کی بہتری اور پاکستان کا استحکام چاہتے ہیں۔ تو انہیں اسلام کا راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ ورنہ وہ جانیں اور ان کی جمہوریت داشت تر اکیت۔ پھر نہ کمنا ہسین خبر نہیں۔ مَاجَاءَ ذَا مَوْتٍ بِشَيْرٍ وَلَا تَدْرِي

کے پیش آمدہ مسائل کو پسندیدہ، بہترین اور قابل عمل طریقہ سے حل نہیں کرتا۔ تو پھر انہیں واشگاف طور پر اس کا اعلان کر دینا چاہئے۔ اسلام کی راہ سے الگ ہٹ جانا چاہئے۔ اور اپنے چہروں سے اسلام کی نقاب اتار دینی چاہئے۔

نام اسلام کا لینا اور تانا بانا کفر کا تفتا، اسلام کے عشق کا دم بھرنا اور اندر دین نفسانیت پر عمل پیرا ہونا مکروہ ترین کمزوری اور منافقت ہے۔ اب یہ منافقت و ریاکاری نہیں چلے گی۔ اس کا زمانہ انگریز کے ساتھ ہی دگیا۔ اسلام کا بتصور ابھر کر مسلمانوں کے سامنے آچکا ہے۔ اب انہیں

چٹیا چڑے کی کہانی

ادب بادشاہوں کے قصوں کا زمانہ گزر چکا۔ ادب اب جامہ انکار کا ڈھیر نہیں رہا۔ یہ اپنا ایک متعدد وجود رکھتا ہے۔ اس کا متعدد تخلیق انسانی زندگی کی آفاق گیر قدروں کو سر بلند و باوقار بناتا ہے۔ ادب انسانی معاشرے کی رگوں میں بہنے والا زندہ خون ہے۔ یہ کسی افسیوی کے بے رحم نہیں

ہفتہ وار جہان نو

ایسا ہی ادب پیش کرتا ہے۔ وہ اپنے افسانہ نمبر میں انسانوں کی دھڑکتی ہوئی زندگیاں پیش کر رہا ہے۔ اس کا افسانہ نمبر ان تمام خصوصیات کا حامل ہے۔ جو مقصدی اور افادی ادب کے ساتھ ناگزیر ہیں۔ جہان نو اردو میں ایک نئے افسانوی ادب کی طرح نکلا رہا ہے۔ مارچ کے آخری ہفتے میں افسانہ نمبر شائع ہوگا۔ ضخامت ۲۲۴ صفحات۔ رنگین سرورق۔ کتابی ساڑھ۔ قیمت ڈیڑھ دو پیسہ۔ خریداروں کو نوچندہ میں ہی بھیجا جائے گا۔ ایجنٹ حضرات اپنی صحیح ضرورت سے جلد از جلد آگاہ فرمائیں۔ مشتہرین کے لئے انہی مصنوعات کی تشہیر کا ایک نادر موقعہ ہے۔

مینجر ہفتہ وار "جہان نو" یعقوب خان روڈ کراچی

مُبلِّغین کی ضرورت

مجلس مرکز یہ حزب الانصار بھیرہ و مدرسہ عزیز یہ واقع جامع مسجد بھیرہ کے لئے سفیر اور مبلغین کی ضرورت ہے۔ صاحب ضرورت حضرات اپنی درخواستیں ذیل کے پتہ پر جلد از جلد روانہ فرما کر ممنون فرمائیں۔ شاعرہ معقول دیا جائیگا۔

الْمُعَلِّينَ نَاطِمَ مَجْلِسِ مَرْكَزِ يَحْزَبِ الْاِنْصَارِ بھیرہ (پنجاب)

سوشلزم، کمیونزم اور اسلام از م

(از محترم ڈاکٹر محمد ایوب صاحب سمبیری)

انسانی رشد و ہدایت کے لئے بنی نوع انسان کے پاس مذہب ایک مقدس امانت ہے جو تذبذب اور شکوک سے بالاتر ہمیشہ شاہراہ عمل رہا ہے۔ اور سعادت مند رجوع ہمیشہ فیضیاب ہوتی رہی ہیں۔ لیکن ذہنی ابتلا۔ فطری اقتدار اور انسانی کمزوریوں کا کیا کیا جائے کہ مذہب کے مقدس نام کو ہی آڑ بنا کر فساد کو جہاد کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اسی قرآن پاک سے شیطان بھی اپنی پاکدامنی و معصومیت کی آیات پیش کرتا ہے۔ جس میں اس کے مفسوب ہونے کی نصوص صریحہ موجود ہیں۔ عقل انسانی کا ماتم کیجئے کہ وہ اکثر ایسے مواقع پر گم ہو کر رہ جاتی ہے۔ اور خدا سے پہلے کون؟ اور "نادے گم حادثات یا قدیم" وغیرہ مان کر قرآن کو تفکر و تدبر کی آیات کی تقاسیر پیش کر کے دعوت عقل و فکر دیکر گمراہی و ضلالت پر گامزن ہوتی ہے۔ زمانے کی ہزار ہا کروڑوں نے کروڑوں ہفتے پیدا کئے۔ اور نئے نئے ہر وہ میں دنیا کے سامنے ہر ایک فتنہ آیا جس کا بالواسطہ یا بلاواسطہ مذہب پر لازماً اثر پڑا۔ کوئی دہریت کے روپ میں نمودار ہوا تو کسی نے مذہب کا ہی ہر وہ بھرا۔ لیکن اکثر یہ بھی ہوا کہ چھپنے نے شیر کی کھال اوڑھ کر دلائل و براہین سے اپنے تئیں شیر ثابت کرنا چاہا۔ مگر فریب، منافقت و ایمانی کے لحاظ سے یہ گروہ انتہائی خطرناک ہے۔ موجودہ دور سے سوشلسٹ اور کمیونسٹ کے نام سے اسی قبیل کے افراد کو اسلام بھی پیدا کیا ہے۔ جو بظاہر اسلام کا ہر وہ بھرتے ہیں۔ اور باطن خدا وندان روس پر ان کی لگا ہوں گی ہیں کیئے تو کہتے ہیں کہ الحمد للہ ہم مسلمان بن اسلام ہیں

خدا کی صداقت اور محمد کی رسالت پر ہمارا ایمان ہے۔ اور غریبوں کی ہمدردی، اسلامی اخوت و مساوات انا اگر ہم کم وغیرہ آیات بھی پر سوز لہجے میں پڑھتے ہیں۔ بلکہ حضرت عمرؓ کے واقعات اور ایسے دیگر واقعات کو بھی اسادیت اور تواضع اسلام سے پیش کرتے ہیں۔ جو غریبوں کی ہمدردی سے متعلق ہیں۔ لیکن اپنے مقصد کے اسلام کے علاوہ پورے اسلام کی بات کیجئے تو اس سے سرکش و باغی نظر آئیں گے کمیونسٹ ہوں یا سوشلسٹ ان کا مذہب سے کوئی لگاؤ نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خدا سے محمدؐ کی نبوت و رسالت کے ماسوا کسی لینن اور کسی اسٹالین کسی روسوا اور کسی آیرے غیرے کو نظام الہی میں دخل انداز ہونا پسند نہیں فرماتے۔ اور یہی ہمارے اور ان کے درمیان نزاعی امور کی ابتدا ہے۔ مثلاً محمدؐ نے فرمایا ہے کہ زمین خدا کی ہے۔ اور تمام مخلوق خدا اس کی وارث ہے۔ لیکن لینن کہتا ہے کہ زمین حکومت کی ہے۔ اور اس کی پیدوار حکومت کا حق ہے۔ محمدؐ کے قانون میں اسی واسطے مسئلہ وراثت چلا آ رہا ہے۔ جس پر قرآن پاک نے وضاحت فرمائی ہے۔

لیکن لینن اور اسٹالین کے یہاں وراثت اور مسئلہ وراثت کا نام و نشان ہی نہیں ہے۔ محمدؐ نے غریبوں کو انگلی سے پکڑ کر اس طرح سر بلند و سر فرار فرمایا ہے کہ بلائیں مسلمان کے دستر خوانوں سے بڑے بڑے شہنشاہان وقت کو ریزہ چین کر کے سدا دکھایا ہے۔ اور یہی پہلو لینن اور اسٹالین کے یہاں اسلام سے مشابہت کا ہے جس کی بنا پر آج کا کمیونزم زندہ مسلمان اپنے تئیں

پریش رہا ہے جو نہ عملی دنیا میں موجود ہے اور نہ عملاً وہ پیش کر سکا ہے۔ محمد کے قانون میں عورت گھر کی زینت، کنبے کی ملکہ اور افراد خاندان کی عزت ہے۔ لیکن اسٹالین کے یہاں عورت ملک کی ملکیت اور ہر ایسے شخص کی بیوی ہے۔ جسے وہ پسند کرے۔ محمد نے زنا والوں کو سنگسار تک کر دینے کا حکم دیا ہے۔ لیکن اسٹالین کے نزدیک زنا اور جھگڑے کی کوئی تفریق ہی نہیں ہے۔ محمد کے حکم سے بچوں کی تعلیم و تربیت درپردہ کی ذمہ داری ان کے والدین پر ہے۔ لیکن اسٹالین کے یہاں بچوں کی پرورش ہسپتالوں میں ہوتی ہے۔ کالجوں میں تعلیم ہوتی ہے اور ہسپتالوں یا جنگی میدانوں میں موت واقع ہوتی ہے۔ یہ اور اسی قسم کے ہزار ہا اختلافات ہیں جو اسلام ازم کو کمیونزم یا سوشلزم وغیرہ سے جدا کرتے ہیں۔ اگر سب کو الگ الگ کر کے گنوا یا جائے تو ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے۔ اب مذہب اسلام پر چکر سوشلزم اور کمیونزم کی حمایت کا پرچار کرنے والے بتائیں کہ آخر ان کا اسلام سے کیا لگاؤ رہ سکتا ہے۔

میں ان کمیونسٹوں کو بہادر سمجھتا ہوں جو پورے طور پر کمیونٹ ہیں۔ اور کھلم کھلا مذہب کے باغی ہیں۔ بہر حال اپنے رنگ میں انکا کیرئیر مضبوط ہے۔ اور ان کی برأت کی داد دینی چاہیے۔ لیکن اگر کسی شخص کا نام محمد اشرف یا احمد دین ہی کیونہ ہو اور ظاہر نمازیں پڑھتا ہو روزے رکھتا ہو بلکہ حج بھی کر لیا ہو لیکن نظام اتہیہ کے مقابلے میں روسی نظام کو قرآن کے احکام کے مقابلے میں روسی پارلیمنٹ کے قانون کو نجات دہندہ عالم سمجھتا ہو تو بلا شک و شبہ وہ مذہب کا باغی ہے۔ اور اسکی نمازیں کرو یا کاری سے زیادہ درجہ نہیں کھتیں یہ کرو فریب ہی تو ہے کہ خدا کے نام کی مالا جینے اور خدا کے قانون سے سرکش ہو۔ یہ ریا کاری ہی تو ہے کہ خدا کو مان کر مخلوق خدا کے آگے جھکے۔ البتہ ایک اہم اور غور طلب نکتہ کمیونسٹ کا ضرور ہے۔ وہ یہ کہ کیا اسلام نے مزدور کے لئے کچھ نہیں کیا؟ کیا مذہب اسلام قبول کرنے کے بعد روٹی کی تلاش اور اس اہم مسئلہ کے حل کے لئے

روس کا غلام سمجھ رہا ہے۔ حالانکہ یہ پہلو یہ نقطہ نظریہ قدرے مشابہت پورا اسلام نہیں ہے۔ اسلام نے بھی روٹی کی تلاش کا حل بتایا ہے۔ اسلام نے بھی سرمایہ پرستی کی مذمت کی ہے۔ ہٹلر نے بھی غریب کو امیر سے کدھے سے گندھا ملا کر مساوات کا عملی درس دیا ہے۔ اسلام نے بھی سود جیسے ظالمانہ کاروبار کو بند کیا ہے۔ اسلام نے بھی سرمایہ دار پر ہر سال کے بعد ٹیکس لگا کر غریب کو مال مال کیا ہے۔ اسلام نے بھی سرمایہ دار پر بیماری بھرم ٹیکس لگا کر غریب کی جیبوں کو پر کر کے غریب کو سر بلند فرمایا ہے۔ لیکن اس مشابہت کے باوجود اسلام انسانیت کے قتل عام کی ہر گز اجازت نہیں دیتا۔ چاہے وہ بہت بڑا سرمایہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ سرمایہ کو تقسیم کرنا اور بات ہے اور سرمایہ دار کو قتل کر دوسری شے۔ محمد اور اسٹالین کے قانون میں یہ فرق ہے۔ اسٹالین نے فتح کی خوشی میں اعلان کیا تھا کہ نعوذ باللہ ”مذہب کو زمین سے اور خدا کو اپنے ملک سے ٹھوکرین مار کر نکال دیا گیا ہے۔“ لیکن محمد فتح مکہ کی خوشی میں اعلان فرمایا تھا کہ ”خدا کا واحد کے بغیر کوئی لائق عبادت نہیں ہے۔ ہر شخص کو مذہبی آزادی ہے۔ زمین کی حاکمیت صرف اللہ کے لئے سزاوارت ہے۔“ اسٹالین نے فتح روس کی خوشی میں پچاس ہزار سرمایہ داروں کو بلا تصور اور بلا جرم تہ تیغ کر کے خون کی ندیاں بہا دی تھیں۔ لیکن محمد نے فتح مکہ کی خوشی میں اعلان فرمایا تھا کہ ”انٹیلیں اور پتھر مارنے والوں کو بھی آج کے دن امان دیجاتی ہے۔ اور جو بڑا پھینکنے والوں کو بھی پناہ دیجاتی ہے۔“ یوسفیان جیسے دشمن اسلام کے گھر میں جو آج کے دن پناہ لیگا۔ اسکی بھی جان بخشی کی جاتی ہے۔“ محمد کے قانون میں فرق مراتب ہے۔ اور یہ اصول فطرت بھی ہے۔ لیکن اسٹالین خود سخت و تکبر سے اکڑ کر بیٹھنے کے باوجود اور عملاً اپنی سی۔ آئی۔ ڈی اور اپنے معمولی سپاہی کو بڑے سے بڑا سمجھنے کے باوجود ایسی مساوات کا ڈھنڈورا

لب کشائی کی کوئی گنجائش نہیں ہاں کیا ہر ایسا شخص گردن زدنی ہے جو غریب اور پسماندہ افراد کی حمایت کرے؟ کیا مذہبی پالیٹیک میں غریب کے لئے کوئی کرسی نہیں ہے؟ کیا لہلاتے کمیتوں میں غریب کے نام کا کوئی دانگندم نہیں ہے؟ کیا اسلام صرف روحانی غذا مینا کرتا ہے اور جسمانی غذا سے چشم پوشی کرتا ہے؟ کیا عائشہ محل میں بجلی کے پٹکوں کے نیچے بیٹھ کر مرغن غذائیں کھانے والے سرمایہ دار کو مذہب کی حمایت حاصل ہے؟ اور کیا جھوٹے پرایک ایک رکھیں اور ایک ایک دانہ جو کے لئے ترسے اور تڑپ تڑپ کر جان دینے والے مزدور کے لئے اسلام کا کوئی حکم نہیں ہے؟ اور اگر نہیں ہے تو پھر اسلام کے بالمقابل کمیونزم کو کیوں نہ ترجیح دیجائے؟ اگر اسلام دنیا کے لئے کچھ نہیں کرتا تو عقبی کے لئے اپنی دنیا کو کیوں خراب کیا جائے؟

یہ اہم اور غور طلب سوالات ہیں جو باغی داغوں سے اٹھ سکتے ہیں۔ اور مستقل مزاج انسانوں کو بھی متزلزل کر سکتے ہیں۔ بلکہ میرے خیال میں تو کمیونزم کی یہی ابتدائی بنیادیں ہیں۔ جو بظاہر ٹری مضبوط ٹری خوبصورت اور بڑی جاذب نظر اور دلچسپ ہیں۔ لیکن تفصیل میں جانے کا وقت نہیں ہے۔ یہ سب کچھ اسلام نے آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پیشتر پیش کئے اور غریب و مزدور اور پیشہ ور کو سر بلند فرمایا۔ قرآن پاک کو اٹھائے۔ ایک دو نہیں سینکڑوں آیات غریب اور مزدور کی ہمدردی اور مساوات کے لئے ملیں گی۔ ان سے قطع نظر عملی زندگی میں دیکھتے تو جہاں صحابہ کرام آپ کو خندنی کھودے ہوئے نظر آئیں گے وہاں سردار دو عالم بھی کدال ہاتھ میں لئے ہوئے دکھائی دیں گے۔ بلکہ آپ کے شکم مبارک پر تین تین دن کے فالتے کے بعد پھر بھی بندھے ہوئے نظر آئیں گے۔ مساوات انسانی کا اس قدر بہتر کونسا درس ہو سکتا ہے۔ کہ حضور اپنی پیڑھی زاد بہن کا نکاح ایک غلام کے ساتھ پڑھاتے ہیں۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ ایک حبشی ہیں۔ غلامی کی ذلت میں ذلیل سے ذلیل ترین سرائیں بگٹنے کے بعد آپ کو

آزاد کرایا جاتا ہے۔ اور مؤذن کا عہدہ جلیلہ سپرد کیا جاتا ہے۔ جو امامت کے بعد اسلام میں دو سردار جہ رکھتا ہے۔ حضرت زید کو جو کہ غلام زاد سے ہیں۔ امیر عساکر بنایا جاتا ہے۔ خود حضور اپنے دست مبارک سے جوتیاں سینتے ہیں۔ ڈول بھر کر پانی نکالتے ہیں۔ شرکائے سفر کا کام بٹاتے ہوئے کبھی کلدیاں چتے ہیں۔ کبھی ہانڈی پکاتے ہیں۔ وغیرہ تاریخ اسلام میں ہزار واقعات ہیں جنگی گردنگ بھی ابھی سوشلزم زدہ نہیں ہوئے۔ لیکن مذہب جہاں جسمانی غذا کو انسانیت کے اصولوں کے ماتحت حاصل کرنے کی تدبیر اور طریقہ بتاتا ہے وہاں روحانی غذا کی بھی حدیں متعین کرتا ہے۔ یہی مذہب اور کمیونزم میں حد فاصل ہے۔ صرف روحانی غذا کا حصول رہبانیت ہے۔ اور صرف جسمانی غذا کے لئے قتل و غارت گری حیوانیت۔ مذہب نام ہے کھل انسانیت کا جو رہبانیت اور حیوانیت کا درمیان راہنما ہے۔ اب اگر کوئی سوال کرے کہ کسی کے کمیونسٹ ہو جانے سے مسلمان کیوں نہیں رہ سکتا؟ تو ظاہر ہے کہ کمیونزم اور اسلام ازم میں یہی حد فاصل ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے کہ ایک شخص نبیوں کو بھی سجدہ کرے اور نمازیں بھی ادا کرے۔ یا تثلیث کا بھی عقیدہ رکھتا ہو اور توحید کا بھی ماننے والا ہو۔ یہ متضاد امور ہیں اور ان کا ایک دل میں رہنا اجتماع ضدین ہے جو کہ محال ہے۔

سرخ نشان

دائرہ میں سرخ نشان سالانہ چندہ ختم ہونے کی علامت ہے۔ آئندہ ماہ کا سالہ بذریعہ وی۔ پی ارساں ہوگا۔ جس کے راڈا خراجا سے بچنے کیلئے بہتر متدیر ہے کہ آپ اپنا چندہ بذریعہ منی آرڈر بھیجیں۔ خریداری منظور ہو تو مطلع دیں۔ خلدادی پی واپس فرما کر ایک سلامی اطارے کو ناخت نقصان دیں۔ خط و کتابت کرنے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ (غلام حسین منیجر)

درسِ حقائق

(طالوت)

تیری قدرت کی فیاضی ہی بندے کا وسیلہ ہے
جہالت پر مری شاہدِ منِ العِلْمِ قَلِيلًا ہے
مری غیرت کا مرکزِ اَلْفِتْ شَب و قَبیلہ ہے
کہ روغن ہے گناہوں کا خطاؤں کا فتنہ ہے
تیری بندہ نوازی کا طریقہ کیا سمجھتا ہے
مجھے معلوم ہے پاداشِ اعمالِ رذیلہ ہے
مے عصیاں کا اک گھونٹ کر ڈال اور کیلا ہے

نہ کوئی چارہ چارہ ہے نہ کوئی حیلہ حیلہ ہے
ہمت کچھ جانتے پر یہ ہوا ظاہر نہ جانا کچھ !
مری نادانیاں معیارِ تقویٰ کو بھلا بیٹھیں
خدا کا نورِ شمعِ دندگی کو کیا کرے روشن
خطا پوشی و ستاری عطا پاشی و غفاری
ارادوں کی یہ ناکامی مرادوں کی یہ بدنامی !
خدا معلوم اس کے پینے میں کیا لطف آتا ہے

حقیقت

(محترم نفیس صاحب چغتائی)

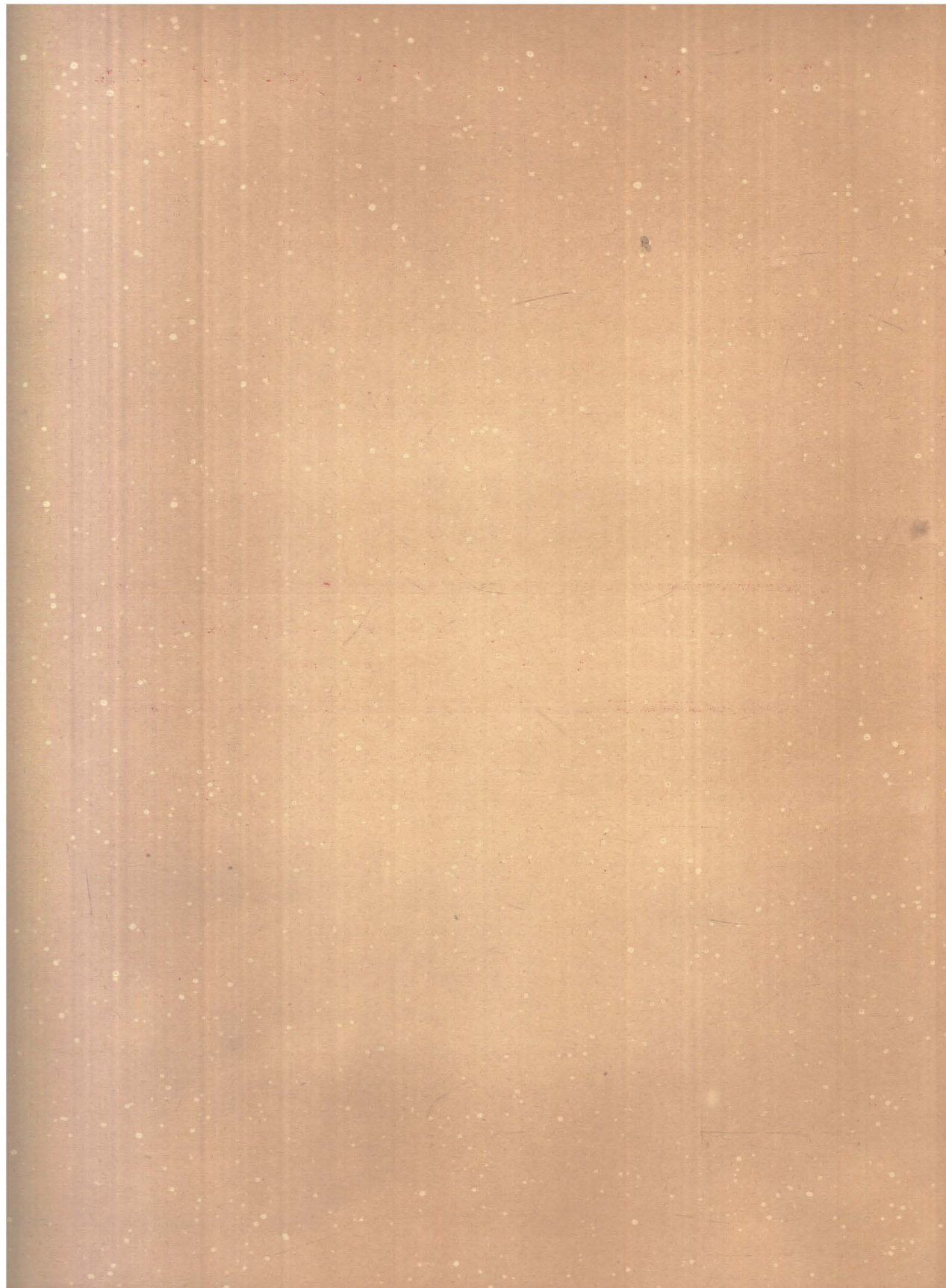
کیوں ہو گئی مومن کی نگہ حیرت آفاق ؟
تم ڈھونڈ کے دکھلاؤ مجھے جو ہر اسباق
کہہ دیتے ہیں افرنگ کی افسیوں کو نزاق
ہو جاتے ہیں پھر یورپی تہذیب کے مشتاق
نظاروں کی آغوش میں گر جاتے ہیں عشاق
اس قوم میں کس طرح سے ہوں صفا آفاق

اک روز جو اقبال سے پوچھا یہ کسی نے !
فرمایا کہ تسلیمِ فرنگی کا غسل ہے !!
اور طرہ کہ تعلیمی اداروں کے معلم !!
بچے بوسبق لیتے ہیں تہذیبِ فوی کا
نیوڈ ازم کے جب نے کے وہ پڑھتے ہیں رسالے
جس قوم کا یہ حال ہو انصاف سے کیئے !

۱۔ جدید تعلیم جو آج کل کالجوں اور سکولوں میں رائج ہے۔

۲۔ نیوڈ ازم مادرِ زاد ننگا پھر نے کو کہتے ہیں۔ امریکہ۔ فرانس۔ جرمنی۔ انگلستان وغیرہ میں ایسی کلبیں

ہیں جہاں عورتیں۔ مرد اور بچے ہمیشہ مادرِ زاد ننگے رہتے ہیں۔



فروری ۱۹۵۰ء

رجسٹر ایل نمبر ۲۶۵۰

غلام حسین الہدیث - پرنٹر، پبلشر، نفاذی برقی پریس سو گودھا سے چھپوا کر
دفتر جریدہ شمس الاسلام بھیرہ پاکستان سے شائع کیا
